www.UrduFanz.com
اشتیاق احمد

5-6-88

محمود، فاروقی، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۴۳

آج کی لاش

اشتیاق احمد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے چار وزیروں کے ذریعے میری تائید فرمائی جن میں سے دو آسمان والوں میں سے ہیں یعنی جبرائیل اور میکائیل ، اور دو زمین والوں میں سے یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ——

(خصائص کبریٰ جلد دوم صفحہ ۲۰)
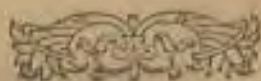
دو باتیں

السلام علیکم!

بعض اوقات عجیب بھول ہوتی ہے۔ اس قدر عجیب کہ میں چکرا کر رہ جاتا ہوں۔ ابھی چکروں سے نجات حاصل نہیں کر پاتا کہ آپ کے خطوط پے در پے اس بھول کی نشاندہی کرانے لگتے ہیں اور میرے چکروں میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اور بعض اوقات تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ میں ناول کا نام بھی 'چکر' پر رکھ دیتا ہوں، جیسے گڑیا کا چکر۔

میں ذکر کر رہا تھا بھول کا۔ ویسے یہ بھول خود بھی تو عجیب سی چیز ہے۔ آجکل عام بھی ہے۔ جسے دیکھو۔ بھولنے پر تلا ہے۔ اور پھول بھول کر کیا ہو رہا ہے، آپ سوچ رہے ہوں گے اور سوچ سوچ کر بے چین ہو رہے ہوں گے کہ میں کیا بات بھول گیا ہوں۔ جس کی وضاحت میں یہ دو ایک کہہ مار رہا ہوں۔ تو جناب سنیے۔ عرض کرتا ہوں۔ خطوط کی عدالت کے سلسلے میں اعلان کیا گیا تھا کہ ان میں سے پانچ خطوط پر انعام دیا جائے گا۔ انعامی خطوط کا اعلان بھولے سے رہ گیا۔ لہٰذا ان ناولوں کے آخر میں اعلان کیا جا رہا ہے۔ اور اگر اعلان آپ کو کہیں بھی، کسی بھی ناول کے آخر میں نظر نہ آئے تو صبر کر لیجیے گا اور یہ سوچ لیجیے گا کہ بے چارہ پھر بھول گیا۔ ایک شعر سنیئے:

پھر بے خودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

[illegible]

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر اللہ نہ کرے ان میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے ان ضروری کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص

اشتیاق احمد

ملاقات

ایک لرزہ خیز چیخ اکرام کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے فوراً جیپ روک دی اور کان سڑک کے بائیں طرف کے مکان پر لگا دیے۔ اس علاقے میں غریب طبقے کے لوگ رہتے تھے۔ چیخ ان میں سے ہی کسی ایک مکان میں سے آئی تھی۔ وہ انتظار کرتا رہا، لیکن چیخ پھر سنائی نہ دی۔ نیچے اتر کر اس نے اِدھر اُدھر کے مکانات پر نظر دوڑائی، سبھی مکان تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"اب میں کس طرح معلوم کروں کہ چیخ کس مکان سے اُبھری ہے۔ کسی مکان میں بھی ہل چل کے آثار نہیں پیدا ہوئے، کیا گھر کے افراد نے اس چیخ کو نہیں سنا۔ اور اگر سنا ہے تو وہ خاموش کیوں ہیں۔ ابھی تک انھوں نے شور مچانا کیوں شروع نہیں کیا؟" اکرام نے بڑبڑانے کے انداز میں اپنے آپ سے کہا۔

"ایک ایک گھر کے دروازے پر دستک دینا شروع کر دیں؟"

حوالدار محمد حسین آزاد نے منہ بنایا۔

"سب ہم پر بگڑیں گے، دانت پیسیں گے۔" اکرام نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر آگے چلیں۔ جو کچھ ہوا ہے۔ صبح خود بخود معلوم ہو جائے گا۔" محمد حسین نے تجویز پیش کی۔

"اب میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر جو آپ کر سکتے ہیں، وہ کریں۔" اس نے فوراً کہا۔

"یار تم چپ رہو۔ تم سے کون پوچھ رہا ہے۔"

"اس وقت آپ بالکل انسپکٹر صاحب کی نقل کر رہے ہیں۔" محمد حسین مسکرایا۔

"وہم ہوا ہے تمہیں۔" اکرام نے جل کر کہا۔

"ارے۔ وہ دیکھیے۔ اس مکان کے تمام کمرے روشن ہو گئے ہیں۔" محمد حسین چلایا۔

"ہاں آؤ۔" اس نے پُر جوش لہجے میں کہا اور تیزی سے بڑھا۔ محمد حسین بھی گھبراہٹ میں اس کے پیچھے لپکا، [illegible] پاؤں کسی چکنی چیز پر پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ دھڑام سے گرا۔

"اوہو۔ بھئی کیا مصیبت آ گئی ہے۔" اکرام غرایا۔

"م۔ مصیبت نہیں جناب۔ کیلے کا چھلکا۔" محمد حسین نے کانپ کر کہا۔

"لعنت ہے ایسے لوگوں پر جو پھل کھا کر چھلکے راستے میں پھینک دیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اکرام نے محمد حسین کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

"شکریہ جناب۔ میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔ آپ جا کر دیکھ آئیں، کیا بات ہے۔"

"کیا مطلب۔ میں جا کر دیکھ آؤں، لیکن تم ساتھ کیوں نہیں چل رہے؟"

"م۔ میں گر گیا ہوں نا۔ پتا نہیں کہاں کہاں چوٹ آئی ہے۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"ارے تو چل کر دیکھو نا۔ معلوم ہو جائے گا۔ تم ٹھیک ہو یا نہیں۔"

"اس وقت دیکھنے کو دل نہیں کر رہا۔ آپ چلے جائیں، پھر دیکھ لوں گا۔"

"اوہ! میں سمجھ گیا۔ دراصل تم اس مکان تک جانے سے ڈر رہے ہو۔"

"ڈر ور کو میں نہیں جانتا جناب کیا چیز ہے۔ مہربانی فرما کر آپ جلدی سے ہو آئیں۔"

"ڈر بھی رہے ہو۔ اور باتیں بھی بنا رہے ہو۔ اب تو تمہیں چلنا ہی ہو گا۔" اکرام نے جھلا کر کہا۔

"وہ۔ دیکھیے جناب۔ م۔ میرا خیال ہے۔ یہ ضرور کوئی آسیبی معاملہ ہے" محمد حسین نے کانپ کر کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ یہاں آسیب کہاں" اکرام نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تت۔ تو آپ جانتے ہیں۔ آسیب کہاں ہوتا ہے" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں تو۔ میرے تو فرشتوں کو بھی نہیں معلوم۔ لو چلیں"

"پہلے۔ آپ بھلا کہاں رحم کریں گے مجھ پر" اس نے تکلیف دہ انداز میں منہ بنا کر کہا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ یہاں تک کہ اس مکان کے دروازے پر پہنچ گئے، اکرام نے آگے بڑھ کر دستک دی۔

انھیں یوں لگا جیسے اندر یک لخت خاموشی چھا گئی ہو، پھر کسی کے دروازے کی طرف آنے کی آواز سنائی دی۔ آخر دروازہ کھلا اور تنگ منہ سے آدمی کی صورت دکھائی دی:

"جی جناب۔ کیا بات ہے؟"

"وہ۔ وہ چیخ اسی مکان سے ابھری تھی نا؟"

"جی نہیں۔ ویسے ہم اس چیخ کو سن کر ہی جاگے ہیں" اس نے کہا۔

"صرف آپ جاگے ہیں یا سارا گھر؟"

"جی باری باری سارا گھر ہی جاگ گیا ہے"

"پھر آپ لوگوں نے چیخ کے بارے میں کیا رائے قائم کی ہے؟"

"پپ۔ پہلے آپ بتائیں۔ آپ کون ہیں؟"

"ہمارا تعلق پولیس سے سمجھ لیں"

"اوہ۔ اچھا اچھا۔ تو جناب چیخ کے بارے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ ساتھ والے مکان سے گونجی ہے، کیوں کہ بہت نزدیک کی آواز تھی"

"ہوں! کیا آپ ساتھ والے مکان میں رہنے والوں سے پوچھ چکے ہیں؟"

"ہم میں اتنی جرأت کہاں۔ ہم تو بس سب کے سب جاگ گئے تھے اور ایک کمرے میں جمع ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا، پھر جب آپ نے دستک دی تو ہماری جان اور بھی نکلی، لیکن مرتے کیا نہ کرتے، دروازہ کھولنے کے لیے اٹھنا ہی پڑا"

"تو آپ لوگ اتنے ڈرپوک ہیں؟"

"آج کل کے حالات نے تو اچھے اچھوں کو ڈرپوک بنا دیا ہے جناب"

"ہوں خیر۔ آئیے۔ ساتھ والے مکان پر دستک دیں" اکرام نے کہا اور ادھر بڑھ گیا۔

"اس گھر میں اس وقت صرف راضی میاں ہوں گے۔ اور انھیں جگانا آسان کام نہیں ہوگا" اس نے کہا۔

"جی۔ کیا مطلب۔ راضی میاں۔ تو کیا یہاں ناراض میاں بھی رہتے ہیں؟" محمد حسین آزاد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ج۔ جی نہیں۔ میں راضی میاں کی بات کر رہا ہوں۔ ان کے گھر والے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ وہ اکیلے ہی گھر میں ہیں۔ نہ جانے وہ کیوں چیخے تھے۔ ویسے ہمارا خیال ہے۔ انھوں نے ضرور کسی جن یا بھوت کو دیکھا ہوگا"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں" اکرام نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیوں جناب۔ کیا اس دنیا میں جن بھوت نہیں ہوتے۔" اس نے بُرا مان کر کہا۔

"پتا نہیں۔ ہوتے ہوں گے" اکرام نے تلملا کر کہا اور آگے بڑھ گیا، دوسرے ہی لمحے اس نے راضی میاں کا دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا۔

ایک منٹ گزر گیا، لیکن اندر نہ تو روشنی ہوئی اور نہ کسی نے دروازہ کھولا۔ اب اس نے پھر زور سے دستک دی، لیکن کچھ نہ بنا۔

"آزاد۔ تم ساتھ والی گلی سے ہو کر مکان کے پچھلی طرف چلے جاؤ۔ دیکھو ادھر کوئی دروازہ تو نہیں ہے"

"دروازہ نہیں جناب۔ اس طرف ایک کھڑکی ہے" پڑوسی بولا۔

"اور کیا اس میں سلاخیں ہیں؟"

"نہیں جناب۔ سلاخیں نہیں ہیں"

"جاؤ آزاد جلدی سے دیکھ کر آؤ۔ کھڑکی اندر سے بند ہے یا نہیں"

"م۔ میں جاؤں" محمد حسین ہکلایا۔

"میں تمھارے فرشتوں سے باتیں نہیں کر رہا"

"ج۔ جی اچھا۔ میں یہی سمجھا تھا۔ کم از کم انھیں تو میرے ساتھ بھیج دیں" آزاد نے پڑوسی کی طرف اشارہ کیا۔

"م۔ میں تو اس طرف ہرگز نہ جاؤں"

"اوہو۔ کیا مصیبت ہے۔ دونوں یہیں ٹھہریں۔ میں دیکھ کر آتا ہوں" اکرام نے جل کر کہا اور پاؤں پٹختے ہوئے گلی کی طرف بڑھ گیا۔

"پہلے ہی ایسا کر لیا ہوتا۔ چلنے پھرنے کی ضرورت تو پیش نہ آتی" آزاد نے منہ بنایا۔

"کیوں جناب۔ کیا آپ لوگوں کا تعلق واقعی پولیس سے ہے" پڑوسی بولا۔

"صرف پولیس سے ہی نہیں۔ خفیہ پولیس سے" آزاد نے اکڑ کر کہا۔

"ارے باپ رے — مارا گیا پھر تو بے چارہ راضی میاں۔"
"کک — کیوں کیا ہوا؟"
"ہم — میں نے سنا ہے — خفیہ پولیس والے بہت سخت مزاج
ہوتے ہیں۔"
"لیکن کسی بے گناہ آدمی کو ان سے پریشان ہونے کی کیا ضرورت
ہے۔" محمد حسین نے حیران ہو کر کہا۔
"گناہ کی کیا بات کرتے ہیں جناب — آج کی دنیا میں گناہ سے
پاک کون ہوگا۔"
"نہیں بھئی — یہ نہیں کہا جا سکتا — بہت بڑے بڑے بزرگ
موجود ہیں — جو گناہ کے پاس بھی نہیں جاتے۔"
عین اسی وقت تیز قدموں کی آواز سنائی دی — اکرام چلا آ
رہا تھا۔
"آؤ بھئی — کھڑکی کھلی ہے۔"
"تو آپ اندر گھس گئے ہوتے — ادھر آنے کی کیا ضرورت
تھی۔" محمد حسین بولا۔
"نہیں بھئی — ایک دو گواہ ساتھ ہونا اچھی بات ہے — نہ جانے
اندر کیا معاملہ ہے۔"
آخر وہ ان دونوں کو ساتھ لے کر کھڑکی تک آیا، پھر تینوں
اندر کود گئے — یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا — کمرے کا مختلف سامان

ادھر اُدھر بے ترتیبی سے رکھا تھا — کمرے میں کوئی انسان نہیں تھا،
وہ اس کمرے سے نکل کر گھر کے چھوٹے سے صحن میں آ گئے —
ساتھ ہی دوسرا کمرہ تھا — اس کا دروازہ کھلا تھا — جوں ہی وہ
اندر داخل ہوئے — ٹھٹک کر رہ گئے — پڑوسی کے منہ سے تو
دل دوز چیخ نکل گئی — فرش پر ایک آدمی چت پڑا تھا —
اس کے سینے میں ایک خنجر دستے تک دھنسا ہوا تھا — خنجر کا
دستہ سنہری رنگ کا تھا — کمرے کے فرش پر خون ہی خون تھا،
وہ ایک صحت مند آدمی تھا — اس کے ہاتھ، بازو اور سارے
کپڑے خون میں لتھڑ چکے تھے — شاید وہ مرنے سے پہلے
خوب تڑپا تھا — انھوں نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا — دروازے
کے پاس فرش پر خون آلود جوتے کا ایک نشان تھا — یہ
ضرور قاتل کے جوتے کا تھا — بائیں طرف ایک پائپ پڑا تھا —
تمباکو پینے والا پائپ —
"اُف اللہ! یہ کیا ہوا؟" انھوں نے پڑوسی کی آواز سنی۔
"آج کی لاش۔" محمد حسین بڑبڑایا۔
"جی — کیا فرمایا — آج کی لاش؟" پڑوسی کے منہ سے نکلا۔
"ہاں! نہ جانے ہمارے شہر کو کس کی نظر لگ گئی ہے —
ہر رات ایک انسان کو قتل کر دیا جاتا ہے — آج شہر کے
اس طرف لاش ملی ہے تو کل کسی دوسری طرف — سارے شہر

کی پولیس پریشان ہے — حکام تلملائے ہوئے ہیں — رات بھر
پولیس کو گشت لگانا پڑتی ہے — اسی لیے تو ہم اتنی جلدی یہاں
پہنچ گئے — ہم ادھر سے گزر رہے تھے، جب وہ چیخ گونجی۔"

"اوہ!" پڑوسی کے منہ سے نکلا۔

"لیکن جناب — آپ بھی تو شہر میں رہتے ہیں — کیا آپ کو
نہیں خبر — آج کل شہر میں ایک آدمی کو روز قتل کر دیا جاتا
ہے — اور یہ کسی خطرناک گروہ کی کارستانی ہے۔"

"ہم — میں تو ابھی کل ہی آیا ہوں — روزی کی تلاش میں
ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔" اس نے بتایا۔

"اوہ اچھا — تو پھر مل گئی روزی؟"

"ایک سال تک مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کیا — اور جو کچھ
بچایا، لے کر چلا آیا — دوسرے ملک میں رہنا اتنا آسان نہیں
اپنے وطن اور اپنے گھر کی بات ہی اور ہے — جو سکھ یہاں کی
روکھی سوکھی میں ہے، وہ دوسرے ملک کی نعمتوں میں کہاں،
میں نے تو کانوں کو ہاتھ لگایا — اب باہر نہیں جاؤں گا۔"

"محمد حسین — تم یہیں ٹھہرو — میں ذرا وائرلیس پر اطلاع کر
دوں کہ آج کی لاش مل گئی ہے۔"

"جی — بہتر، لیکن ذرا جلدی آ جائیے گا۔"

"بھئی، یہ لاش تمہیں کاٹ نہیں کھائے گی۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں جناب۔" اس نے کہا اور اکرام وہاں سے
ہٹتا چلا گیا۔

ان دنوں قریباً سبھی پولیس والے شہر کی گشت پر مقرر
[illegible] اگرچہ محکمہ سراغ رسانی والوں کے ذمے یہ کام نہیں لگایا
[illegible]، لیکن انسپکٹر جمشید نے اپنے ذمے خود ہی یہ کام لگا
[illegible] — اس وقت وہ بھی شہر کے کسی حصے میں گشت پر
[illegible] تھے — وہی نہیں — محمود، فاروق اور فرزانہ بھی گشت
[illegible] — اب یہ اور بات ہے کہ آج کی لاش اکرام اور محمد حسین
[illegible] ملی تھی۔

★

آدھ گھنٹے بعد وہاں سب لوگ پہنچ چکے تھے، ماہرین اپنا
[illegible] شروع کر چکے تھے — جب تصاویر لے لی گئیں تو لاش کو
[illegible]یا — اور وہ سب چونک پڑے — لاش کے نیچے خون میں چیل
[illegible] ایک صلیب پڑی تھی — چونکہ خون میں ڈوبی ہوئی تھی،
[illegible] لیے اس پر سے انگلیوں کے نشانات تو مل نہیں سکتے
تھے، لہٰذا اسے اٹھا کر صاف کیا گیا، اس میں سنہری رنگ
[illegible] ایک زنجیر بھی تھی — اس سے پہلے اس قسم کی کسی لاش

کے ساتھ کوئی صلیب نہیں ملی تھی - یہ پہلا اتفاق تھا۔

"اس صلیب کی موجودگی سمجھ میں نہیں آئی - کیا راضی میاں عیسائی تھے؟" انسپکٹر جمشید پڑوسی کی طرف مڑے۔

"جی نہیں - یہ تو بہت پکے مسلمان تھے - پانچ وقت کے نمازی اور مذہبی خیال کے آدمی۔" اس نے بتایا۔

"آپ کا کیا نام ہے؟" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

"میں بابر خان ہوں۔"

"چیخ کے فوراً بعد آپ کے مکان میں روشنی نہیں ہوئی تھی، کچھ دیر بعد ہوئی - اس کی کیا وجہ ہے؟"

"پہلے تو ہم سہمے پڑے رہے - جب ذرا کچھ ہمت بندھی تو اٹھ کر روشنی کی۔" اس نے کہا۔

"یہ راضی میاں کیا کرتے ہیں؟"

"ایک سرکاری دفتر میں ملازم ہیں - محکمۂ اطلاعات میں۔"

"آپ کے خیال میں ان سے کسی کو دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"جی ہاں، میرے گھر والے ذکر کر رہے تھے - ان کا اپنے دفتر کے انچارج سے کچھ جھگڑا ہوا تھا - انچارج نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اسے قتل کرا دے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تب تو اس کے انچارج سے بھی ملنا ہوگا - آپ کو انچارج

کا نام معلوم ہے؟"

"جی ہاں! وہ بہت مشہور و معروف آدمی ہے - رائے گاہا۔" اس نے بتایا۔

"اوہ - رائے گاہا۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا اور ان کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے۔

انہیں اس شخص سے بہت چڑ تھی - دوسرے ہی لمحے ان کی جیپ رائے گاہا کی کوٹھی کی طرف اڑی جا رہی تھی - ایسے میں وہ سوچ رہے تھے کہ جانے محمود، فاروق اور فرزانہ شہر کے کس حصے میں بھٹک رہے ہوں گے۔

قہقہہ ابل پڑا

"میرا خیال ہے۔ ہم لوگوں نے اپنی راتوں کی نیندیں حرام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جب کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔" فاروق نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"کیا کر رہے ہو بھئی۔ اس بد بخت گروہ کے ہاتھوں ہر رات ایک آدمی موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تم کہتے ہو، ہمیں جاگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ۔ کیا کہوں۔ اتنے بڑے شہر میں ہم ہر ایک گھر کے سامنے تو موجود نہیں ہو سکتے۔"

"تب پھر۔ تم بتا دو۔ مجرموں کو کس طرح پکڑیں۔" محمود نے اسے گھورا۔

"اس کا طریقہ بہت آسان ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"آسان ہو یا مشکل۔ تم بتا دو۔" فرزانہ بولی۔

"سب لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے اور اندر سے کمروں

کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے سوئیں اور بس۔"

"ایسا تو شہر کے لوگ پہلے ہی کر رہے ہیں۔"

"نہیں کر رہے ہیں، اگر کر رہے ہوتے تو ہر روز کوئی نہ کوئی ان کے ہتھے نہ چڑھتا۔" فاروق بولا۔

"فاروق کی بات اگرچہ بے تکی ہے، لیکن ہے غور کے قابل۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے فرزانہ۔ بات بے تکی بھی ہے اور غور کے قابل بھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" محمود نے جل بھن کر کہا۔

"غور کرو محمود۔ اگر سب لوگ اپنے گھر اندر سے بند کر لیتے ہیں تو پھر آخر یہ گروہ کس طرح کامیاب ہو جاتا ہے۔"

"اوہ!" محمود کے منہ سے نکلا اور فاروق کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"بات واقعی الجھن والی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کسی گروہ کی کارروائی نہیں۔ اکیلے آدمی کی کارستانی ہے۔ اور وہ صرف اور صرف ایسے گھر میں جاتا ہے۔ جس کے افراد اس سے واقف ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ واقف آدمی کے لیے تو گھر کا دروازہ کھولنا ہی پڑے گا۔"

"ویری گڈ۔ بہت اچھا نتیجہ نکالا۔ میں تو اب دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قاتل ضرور اپنے واقفوں کے گھروں میں وارد ہوتا

کر رہا ہے" فاروق چہکا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ ہمیں بہت پہلے اس نتیجے پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اب بھی اگر فاروق توجہ نہ دلاتا تو شاید ہم اندھیرے میں ہی بھٹکتے رہتے۔"

"اندھیرے میں تو خیر اب بھی بھٹک رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے تمام واقفوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے، کہیں وہ کوئی پاگل تو نہیں؟"

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہمیں قتل ہونے والے تمام لوگوں کے حالات معلوم کرنا ہوں گے اور یہ جاننا ہو گا کہ قاتل سے ان کا کیا تعلق ہے۔"

"اور یہ ایک بہت مشکل، بہت لمبا اور بہت اکتا دینے والا کام ہو گا" فاروق گنگنایا۔

"تب پھر۔ کیا تم نے اس کا بھی کوئی علاج سوچا ہے؟"

"ہاں! سوچا ہے" وہ بولا۔

"کمال کر رہے ہو آج تو تم۔ فرزانہ کی بجائے ترکیبیں بھی تم ہی سوچ رہے ہو اور علاج بھی۔ لگ۔ کہیں۔" محمود کہتے کہتے رک گیا۔

"لگ۔ کہیں۔ کیا؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"کہیں اس نے تمہاری عقل تو نہیں چرا لی؟"

"یا پھر۔ کہیں میری روح تو اس میں حلول نہیں کر گئی؟"

"پہلا الزام بہت تکلیف دہ ہے۔ دوسرا گوارا کیا جا سکتا ہے" فاروق نے گویا اعلان کیا۔

"کیا مطلب؟" محمود نے جلدی سے کہا۔

"روحوں کی تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ میں اس بحث میں نہیں پڑتا، لیکن میں چور ہرگز نہیں ہوں" فاروق مسکرایا۔

"خیر خیر۔ تم نے کیا ترکیب سوچی ہے۔ پہلے تو یہ بتاؤ" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"یہ کہ ہم معلوم کریں۔ تمام مقتولین میں مشترک بات کیا ہے۔ ان سب میں کوئی بات مشترک ضرور ہو گی۔ یعنی وہ بات ان سب میں ضرور پائی جائے گی۔"

"ہوں۔ واقعی فاروق۔ آج تم کمال ہی کر رہے ہو۔ اس کا۔"

محمود کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ سڑک کے دوسری طرف سے ایک کار آندھی اور طوفان کی رفتار سے آ رہی تھی۔ اور اگر وہ عین اسی وقت ایک طرف نہ ہٹ گئے ہوتے تو وہ انہیں کچل گئی تھی۔

"یہ۔ یہ ضرور کوئی پاگل ہے۔ ہمیں اسے سزا دینی چاہیے" محمود چلایا۔

"ہاں محمود۔ تم نے ٹھیک کہا۔" فاروق بولا۔

"تو پھر چلو۔" فرزاد نے پُرجوش انداز میں کہا۔

اب ان کی موٹر سائیکلیں اس کار کے پیچھے دوڑنے لگیں۔ موٹر سائیکلوں کی رفتار کار سے بہت کم تھی، پھر بھی انھوں نے تعاقب نہ چھوڑا اور آخر ایک جگہ کار آہستہ ہو گئی اور پھر ایک کوٹھی کے اندر داخل ہو گئی۔ چند سیکنڈ بعد ہی وہ کوٹھی تک پہنچ گئے۔ پھاٹک بند کر دیا گیا تھا۔ اس کے دوسری طرف کار کھڑی تھی۔ انھوں نے کوٹھی کے دروازے پر لگی نام کی تختی دیکھی۔ لکھا تھا رائے گابا۔

*

"رائے گابا۔ محکمہ اطلاعات۔" فاروق بڑبڑایا۔

"سرکاری افسر ہوتے ہوئے قانون کی اتنی خلاف ورزی۔ ہم اس سے بات ضرور کریں گے۔" محمود نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔ اور آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ ایک منٹ بعد ایک بوڑھے ملازم کی صورت دکھائی دی۔

"ہاں جی۔ کیا بات ہے؟" اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"رائے گابا سے ملنا ہے۔" محمود بولا۔

"یہ کون سی نئی بات ہے۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"ان سے ملنے کے لیے لوگ دن رات آتے رہتے ہیں۔ بہرحال آپ بھی اپنے کارڈ دے دیں۔"

انھوں نے اپنے کارڈ اسے تھما دیے۔ اور وہ پھاٹک کو کھلا چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

"محمود! اس کار کے نمبر نوٹ کر لو۔ وقت بھی لکھ لو۔ اور آؤ۔ ذرا کار کا جائزہ بھی لے لیں۔ آخر یہ شخص اس قدر تیز رفتاری سے کیوں آ رہا تھا۔ کیا اس کے پیچھے موت لگی ہوئی تھی۔" فرزاد نے جلدی جلدی کہا۔

محمود نے کوئی جواب دیے بغیر کار کے نمبر اپنی نوٹ بک میں لکھ لیے اور پھر کار کے نزدیک آ گئے۔ محمود نے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی ہی تھی کہ ملازم کے قدموں کی آواز سنائی دی اور اس نے جلدی سے ٹارچ جیب میں رکھ لی۔

"چلیے جناب۔ صاحب ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ اس کے پیچھے چلتے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ انھوں نے دیکھا۔ اندر ایک لمبے قد اور سڈول جسم والا شخص صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کے دونوں بازو صوفے کی پشت پر تھے۔

"آپ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں؟" اس نے قدرے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں! آپ نے ٹھیک پہچانا۔"

"اس وقت کیسے تکلیف کی؟"

"ہم دراصل آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔" فاروق نے پُرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا!!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چہرے پر بے تحاشا خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔

انھیں بہت حیرت ہوئی؛ تاہم تینوں خاموش رہے۔

"آپ میرا تعاقب کر رہے تھے؟" وہ کانپ کر بولا۔

"جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اور تعاقب کہاں سے شروع کیا تھا؟"

"آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" محمود نے جلدی سے کہا۔

"پہلے آپ بتائیے۔ آپ لوگوں نے تعاقب کہاں سے شروع کیا تھا؟"

"ڈیوڈ چوک سے۔ آپ کار بہت تیز رفتاری سے چلا رہے تھے۔"

"وہ۔ وہ دراصل میری بیوی کی طبیعت بہت خراب ہے۔"

"اوہ معاف کیجیے گا، پھر تو ہم نے آپ کا تعاقب کر کے غلطی

کی۔" محمود یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تو ہم چلتے ہیں۔" محمود بولا۔

"بہت بہت شکریہ۔ ٹھہریے۔ ملازم آپ کو دروازے تک پہنچا آتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے بلند آواز میں کہا:

"غفور۔ یہاں آؤ۔"

"آیا جناب۔" ملازم کی آواز سنائی دی اور پھر دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ جلد ہی وہ ان تک پہنچ گیا۔

"انھیں دروازے تک چھوڑ آؤ۔"

"جی بہتر۔ آئیے جناب۔" اس نے کہا۔

وہ اس کے پیچھے چل پڑے۔ اور کار تک آ گئے۔

"آپ کو دوڑ کر ڈرائنگ روم کی طرف نہیں آنا چاہیے تھا۔" فرزانہ نے سرسری انداز میں کہا۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"جب گھر میں کوئی بیمار ہو۔ تو پھر خاموشی اختیار کرنا ضروری ہے۔"

"لیکن ہمارے گھر میں تو کوئی بیمار نہیں ہے۔"

"اوہو اچھا۔ آپ کا مطلب ہے بیگم صاحبہ بیمار نہیں ہیں"

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ وہ بیمار ہیں؟" ملازم کے لہجے

میں حیرت در آئی۔

"ابھی ابھی رائے گاہا صاحب نے ہی تو بتایا ہے۔"

"حیرت ہے ، انھوں نے یہ بات کیوں کہی۔" غفور بڑبڑایا۔

"ارے ۔ کہیں میرا رومال ڈرائنگ روم میں تو نہیں رہ گیا۔"

فرزانہ چونک کر بولی ، پھر غفور کی طرف مڑی :

"آپ کو تکلیف تو ہو گی۔ ذرا ڈرائنگ روم میں دیکھ آئیے۔"

"اچھا۔" اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔

"رائے گاہا کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"ضرور کوئی بات ہے۔" محمود نے کہا۔ "جب تک غفور آئے ۔ کار کا جائزہ لے لو۔ جلدی کرو۔" فرزانہ بولی۔

محمود نے ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی اندر کر ڈالی ۔ دوسرے ہی لمحے ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے ۔ اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔

"نہیں بھئی ۔ ڈرائنگ روم میں کوئی رومال نہیں ہے۔"

"شکریہ ۔ پھر شاید وہ گھر میں رہ گیا ہوگا ۔ اچھا ہم چلتے ہیں۔"

وہ پھاٹک سے نکل آئے ۔ غفور نے پھاٹک بند کیا اور

اندر کی طرف چل پڑا۔

"اب کیا کرنا ہے؟" فاروق بولا۔

"ہم دونوں یہیں ٹھہرتے ہیں ۔ تم انکل اکرام وغیرہ سے رابطہ قائم کرو ۔ اور جوں ہی ان سے بات ہو ۔ انھیں یہاں پہنچنے کے لیے کہہ دو ۔ اس دوران ہم کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اگر کھل گیا تو ٹھیک ہے ، ورنہ پھر انکل کے آنے کے بعد رائے گاہا کو باہر بلائیں گے ۔ اندیشہ یہ ہے کہ کہیں رائے گاہا کوئی کام نہ دکھا جائے۔"

"اللہ مالک ہے۔" فاروق نے کہا اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چلا گیا۔

دونوں واپس مڑے اور لوہے کے جالی دار پھاٹک پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گئے ۔ محمود نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور ایک ایک کرکے چابی لگانا شروع کی ۔ ابھی کوئی چابی نہیں لگی تھی کہ قدموں کی آواز سنائی دی ۔ دونوں بھڑک کر مڑے ۔ انھوں نے دیکھا ۔ رائے گاہا اندرونی دروازے سے نکل کر ان کی طرف قدم بڑھا چکا تھا۔

"یہ ۔ یہ کیا ۔ آپ لوگ ابھی تک یہیں ہیں!"

"جی ۔ جی ہاں۔"

"لیکن غفور نے تو بتایا تھا کہ آپ جا چکے ہیں۔"

"اس کے خیال میں جا چکے ہوں گے۔"
"اور اپنے خیال میں؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔
"اپنے خیال کی بات جانے دیں۔ ہمارا خیال سن کر کیا کریں گے۔" محمود نے کندھے اچکائے۔
"دیکھو بھئی۔ تم ابھی مجھے نہیں جانتے۔ میں بہت خراب آدمی ہوں۔"
"ارے نہیں جناب۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔ آپ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔"
"اس خیال میں نہ رہنا۔" وہ غرایا۔
"اچھا۔ نہیں رہیں گے۔ آپ کہتے ہیں تو نہیں رہیں گے۔"
"تو پھر چلتے پھرتے نظر آئیے۔ غفور کی خبر تو میں لوں گا ہی۔"
"نہیں جناب۔ اس بے چارے کا کوئی قصور نہیں۔ اس نے تو ہمیں پھاٹک سے دوسری طرف کر دیا تھا اور اس کے بعد پھاٹک بند کر کے چلا گیا۔" محمود مسکرایا۔
"تب پھر۔ تم اندر کس طرح آئے؟"
"پھاٹک کے اوپر سے۔"
"اوہ۔ یہ تو غیر قانونی حرکت ہے۔" اس نے چونک کر کہا۔
"جی ہاں۔ ہے تو سہی۔ تو پھر آپ پولیس کو فون کر دیں نا۔"

"میں جانتا ہوں۔ پولیس تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ آخر تم انسپکٹر جمشید کی اولاد ہو۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"نہیں جناب! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ قانون تو سب کے لیے ایک ہے۔"
"اگر قانون سب کے لیے ایک ہے تو پھر آپ لوگ غیر قانونی حرکتیں کس طرح کر سکتے ہیں۔"
"ہم نے غیر قانونی کام اس لیے کیا کہ آپ نے اس کی ابتدا کی۔" فرزانہ بولی۔
"میں نے کیسے ابتدا کی؟"
"اس طرح کہ کار غیر قانونی رفتار سے دوڑائی، پھر جب ہم نے پوچھ تاچھ کی تو آپ نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ آپ کی بیگم بیمار ہیں، اس لیے آپ اتنی تیز رفتاری سے آ رہے تھے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ آپ کی بیگم صاحبہ ہرگز بیمار نہیں ہیں۔"
"کیا!!" رائے گاما اچھل پڑا، اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔
"جی ہاں جناب۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی بیگم صاحبہ بیمار نہیں ہیں۔"
"اور آپ لوگ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"
"آپ کے ملازم غفور کا بیان یہی ہے، لیکن اس میں بھی اس غریب کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یوں کہ اس نے بتایا کہ

طرح غفور سے انھیں معلوم ہوا تھا۔

"ہوں! آپ لوگ واقعی بہت چالاک ہیں۔ دراصل بات صرف یہ ہے کہ اگر میں ذرا بھی دیر سے گھر پہنچوں تو بیگم رونا شروع کر دیتی ہیں۔ اس لیے میں اس قدر تیز رفتاری سے آ رہا تھا۔ ارے۔ آپ لوگ تو تین تھے، لیکن اب دو نظر آ رہے ہیں۔" وہ چونکا۔

"ہمارا بھائی ایک کام گیا ہے۔"

"خیر۔ اب تو آپ کا اطمینان ہو گیا۔ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

"مشکل تو یہی ہے کہ اطمینان نہیں ہوا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب۔ اطمینان نہیں ہوا۔"

"ہاں! اگر اطمینان ہو جاتا تو ہم اس وقت تک واقعی چلتے پھرتے نظر آ رہے ہوتے۔ جب کہ ایسا نہیں ہے۔ ہم ایک جگہ کھڑے ہیں۔"

"آپ لوگ عجیب انداز کی باتیں کر رہے ہیں، کیا ہمیشہ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز جھلک آیا۔

"ہمیشہ نہیں۔ کبھی کبھی۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت پھاٹک کے باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ رائے گابا چونک کر مڑا۔ انھوں نے بھی ادھر دیکھا۔ فاروق چلا

آ رہا تھا۔ محمود نے آگے بڑھ کر پھاٹک کھول دیا۔

"او فاروق۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔ دیکھو بے چارے رائے گابا بھی باہر آ گئے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انھوں نے باہر آنے کی زحمت کیوں کی؟"

"یہ تو میں نے ان سے نہیں پوچھا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب پوچھ لو۔"

"آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

"جو ہم چاہتے ہیں۔ وہ آپ ہرگز نہیں چاہ سکتے۔ لہٰذا نہ پوچھیں تو بہتر رہے گا۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

عین اسی وقت ایک جیپ آ کر رکی۔ اس میں سے پولیس والے نیچے اتر کر پھاٹک کی طرف آ گئے۔ رائے گابا کا رنگ اڑتا نظر آیا۔

"رائے گابا کی کوٹھی یہی ہے نا جناب؟"

"ہاں! میں نے ہی آپ کو اطلاع دی تھی۔" فاروق بولا۔

"لیکن کیوں فاروق۔ کیا انکل اکرام سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔"

"نہیں۔ نہ جانے وہ کہاں ہیں۔"

"اوہ اچھا۔"

"آخر یہ سب کیا ہے۔ آپ لوگوں نے پولیس کو کیوں بلایا ہے۔ آپ تینوں ہی کیا کم تھے کہ اب مجھے پولیس سے بھی الجھا دیا ہے۔"

رائے گابا نے تلملا کر کہا۔

"ہم کیا کریں جناب - کیا کر سکتے ہیں - مجبور ہیں، لاچار ہیں"۔ فاروقی گنگنایا۔

"معاملہ کیا ہے جناب" پولیس انسپکٹر اکھڑے لہجے میں بولا۔

"یہ صاحب اپنی کار بہت تیز رفتاری سے چلاتے ہوئے ڈیوڈ چوک سے گزرے تھے - ہم نے ان کا تعاقب کیا اور یہاں تک پہنچ گئے، ان سے ملاقات کی، تیز رفتاری کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ان کی بیگم صاحبہ کی طبیعت خراب تھی، لیکن بعد میں ملازم سے ہمیں معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ بالکل ٹھیک ہیں - گویا رائے صاحب نے غلط بیانی سے کام لیا - اب جب ہم نے ان سے اس غلط بیانی کا سبب پوچھا تو انھوں نے ایک اور ہی بات کہی - یہ کہ اگر کسی روز انھیں دیر ہو جائے تو ان کی بیگم ان سے ناراض ہو جاتی ہے"۔

"ہوں - بس اتنی سی بات" انسپکٹر نے منہ بنایا۔

"کیا آپ کے خیال میں یہ بات اہم نہیں ہے - جب کہ ان دنوں ہر رات کو ایک آدمی قتل ہو رہا ہے اور ہم سب لوگ سڑکوں پر گشت کر رہے ہیں - ان حالات میں کسی کا تیز رفتاری سے گزرنا ہمیں شک میں ڈالے گا یا نہیں"۔

"ہاں! ضرور ڈالے گا، لیکن اب جب کہ انھوں نے اپنی صفائی

پیش کر دی ہے تو زیادہ سے زیادہ ان کا تیز رفتاری کے الزام میں چالان کیا جا سکتا ہے - آخر ہمیں گشت پر سے بلانے کی کیا ضرورت تھی" انسپکٹر نے بُرا مان کر کہا - شاید وہ ان سے خوش نہیں تھا۔

"اس لیے کہ بات صرف اتنی سی نہیں ہے - کچھ اور بھی ہے"۔

"تو پھر بتایئے - کیا بات ہے"؟

"آیئے آپ کو دکھائیں" محمود نے کہا اور کار کی طرف قدم بڑھا دیے - رائے گابا کا رنگ ایک بار پھر اُڑتا نظر آیا۔

"یہ دیکھیے جناب - کار کے اندر کیا ہے" محمود نے ڈرامائی انداز میں کہا اور ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی - انسپکٹر نے جوں ہی اندر دیکھا - زور سے اُچھلا - آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"نن - نہیں - نہیں - یہ - یہ کیا" اس کے منہ سے نکلا۔

اچانک رائے گابا کے حلق سے ایک قہقہہ اُبل پڑا - ایک طویل قہقہہ - جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

وہ قہقہے کے رُکنے کا انتظار کرنے لگے - اسی وقت ایک جیپ وہاں آ کر رُکی۔

آخری بات

جیپ کے رکنے کی آواز سن کر بھی گاما کا قہقہہ نہ رکا۔ ادھر ان لوگوں نے جیپ کی طرف دیکھا تو اچھل پڑے۔ آنے والے انسپکٹر جمشید، اکرام اور محمد حسین آزاد تھے۔

"تو آپ کو اطلاع مل گئی۔"

"کیسی اطلاع۔ ہم تو تم لوگوں کو یہاں دیکھ کر خود حیران ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کا مطلب ہے۔ آپ اپنے طور پر آئے ہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ آج کی لاش مل گئی ہے۔ وہ آدمی محکمہ اطلاعات میں ملازم تھا اور اس کے انچارج مسٹر رائے گاما ہیں، اس لیے ہم ان کی طرف آئے تھے۔ اب تم بتادو کہ یہاں کس خوشی میں موجود ہو۔"

"تب تو معاملہ صاف ہو گیا۔" محمود پرجوش لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

اب محمود نے تفصیل سنا دی۔

"لیکن معاملہ صاف کس طرح ہو گیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس طرح کہ رائے گاما کی کار کے اندر کئی چیزوں پر بالکل تازہ خون لگا ہوا ہے۔"

"اوہ!" کئی آوازیں ابھریں۔

ادھر اس وقت تک رائے گاما کا قہقہہ رک چکا تھا، تاہم اس کے چہرے پر اب تک طنزیہ آثار تھے۔ اس نے ناک سکوڑ کر کہا:

"آپ لوگ بھی عجیب ہیں۔ زبردستی مجھے قاتل بنائے دے رہے ہیں۔ میری کار سے دراصل ایک گائے ٹکرا گئی تھی۔ دروازے کا شیشہ توڑتا ہوا اس کا منہ اندر آگھسا تھا۔ اور اس کا خون کار میں جگہ جگہ لگ گیا۔ بس بات صرف اتنی سی ہے۔"

"تب تو معاملہ اور بھی صاف ہو گیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا مطلب۔ معاملہ اور بھی صاف ہو گیا۔ وہ کیسے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"اس طرح کہ ہم آپ کی کار کے اندر لگے خون کا تجزیہ کرا لیتے ہیں۔ اگر وہ خون کسی گائے کا ثابت ہوا تو ہم آپ کو بالکل بے گناہ مان لیں گے اور اگر کسی انسان کا ہوا تو پھر ہم اس خون کا اور مقتول کے خون کا مقابلہ کریں گے۔ اگر دونوں خون ایک ہی آدمی کے ثابت ہوئے تو آپ کو قاتل قرار دے دیا جائے

گا ، نہ صرف ایک آدمی کا - بلکہ ان سب کا جن کی لاشیں آج کل مل رہی ہیں"

"آپ لوگوں کا ضرور دماغ چل گیا ہے - میں کہہ چکا ہوں کہ میری کار میں خون ایک گائے کا ہے"

"اور میں بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر یہ خون کسی گائے کا ثابت ہوا تو آپ اس الزام سے بری ہوں گے"

"ٹھیک ہے - مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے" اس نے کندھے اچکائے -

کارروائی شروع کی گئی - خون کے نمونے لیے گئے ، پھر وہ وہاں سے رخصت ہو گئے -

"تم جانتے ہو - رائے گابا کون ہے - محکمہ اطلاعات کا ایک آفیسر"

"ہاں ، لیکن مجھے اس آدمی سے بہت نفرت ہے" انسپکٹر جمشید بولے -

"اس کی کوئی وجہ ضرور ہو گی" فاروق نے کہا -

"بھلا بغیر کسی وجہ کے میں کیوں کسی سے نفرت کرنے لگا - یہ شخص دہریہ ہے"

"دہریہ - آپ کا مطلب ، اللہ تعالیٰ کا منکر ہے - اللہ کو نہیں مانتا" فرزانہ بولی -

"ہاں ، جیسے دنیا میں بہت سے لوگ ہیں - یا کچھ اور ملکوں کے لوگ

جو اللہ کو نہیں مانتے"

"اوہ ! تب تو ہمیں اس سے واقعی نفرت کرنی چاہیے ، لیکن ابا جان ایسے لوگ ہمارے ملک کے محکموں میں آفیسر کیوں لگے ہوتے ہیں ، ایک اسلامی ملک میں بڑے بڑے عہدوں پر ان کا کیا کام ؟"

"یہ سب کچھ غیر ملکی سازشوں سے ہوتا ہے - دیکھنا یہ ہے کہ یہ شخص قاتل ہے یا نہیں - موقع واردات پر ایک صلیب کی موجودگی مجھے اُلجھائے دے رہی ہے - راضی میاں پکے مسلمان تھے - تو پھر کیا ان کا قاتل کوئی عیسائی تھا - یہ رائے گابا تو عیسائی بھی نہیں ہے - ارے ہاں - تم نے اس کا تعاقب ڈیوڈ چوک سے شروع کیا تھا - ڈیوڈ چوک سے ایک سڑک سیدھی راضی میاں کے گھر کی طرف جاتی ہے"

"خون کا تجزیہ بہت جلد معاملے کو صاف کر دے گا" محمود نے کہا -

اور پھر ایک گھنٹے بعد انہیں رپورٹ مل گئی - اکرام نے فون پر بتایا :

"کار سے ملنے والا خون انسانی ثابت ہوا ہے - اور وہ خون راضی میاں کے خون سے بھی مل گیا ہے"

"اوہ اچھا - تب تو رائے گابا کے قاتل ہونے میں کوئی شک نہیں رہ گیا - آؤ بچو چلیں - اکرام تم بھی کچھ ماتحت لے کر وہاں

پہنچ جاؤ۔"

"او کے سر۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

جلد ہی وہ پھر رائے گابا کی کوٹھی تک پہنچ گئے۔ اکرام وغیرہ پہلے ہی پہنچ چکے تھے اور کوٹھی کی نگرانی شروع ہو چکی تھی۔ انسپکٹر جمشید کے اشارے پر محمود نے دستک دی۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور غفور کی صورت دکھائی دی:

"اوہو۔ یہ آپ ہیں۔"

"جی ہاں! ہمیں رائے صاحب سے ضروری کام ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ ساتھ ہی ان کی نظر اندر کھڑی ایک بڑی کار پر پڑی، اس کے نمبر دیکھتے ہی ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اسی وقت ملازم نے کہا:

"وہ اس وقت ایک معزز مہمان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تشریف فرما ہیں۔ کیا آپ کچھ دیر انتظار نہیں کر سکتے؟"

"افسوس! انتظار کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔ آپ انہیں میری آمد کی اطلاع دے دیں، اگر انھوں نے فوری طور پر ملاقات منظور نہ کی تو میں ضرور انتظار کر لوں گا۔"

"بہتر۔ میں اطلاع کرتا ہوں۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔ ایک منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی:

"چلیے جناب۔"

وہ اس کے ساتھ چلتے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

"ارے۔ انسپکٹر جمشید آپ۔" اندر بیٹھے ایک صاحب نے کہا۔ ان کے ساتھ ہی صوفے پر رائے گابا بیٹھا تھا۔

"جی ہاں میں۔ مجھے افسوس ہے نواب صاحب۔ میں نے دخل اندازی کی۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔ تشریف رکھیں۔"

ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی۔ نواب فرقان بیگ صوبائی گورنر تھے اور بہت دھڑلے کے آدمی تھے۔ انھیں رائے گابا کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر وہ الجھن محسوس نہ کرتے تو کیا کرتے۔ وہ تو رائے گابا کو گرفتار کرنے آئے تھے۔ انھوں نے سنا۔ نواب فرقان بیگ کہہ رہے تھے:

"ہاں تو کیسے تکلیف کی؟" نواب صاحب بولے۔

"رائے صاحب کو معلوم ہی ہے سر۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا معلوم ہے؟"

"یہ کہ ہم لوگ کس لیے آئے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔ گابا۔ کیا معاملہ ہے؟"

"ان لوگوں کا خیال ہے کہ میں نے کسی آدمی کو قتل کیا ہے۔ حالاں کہ میری کار میں ایک کتے کا خون لگا ہوا تھا۔ کتا کار سے ٹکرا گیا تھا۔"

"ضرور یہی بات ہو گی۔ انسپکٹر صاحب راے گابا ایسے آدمی نہیں ہیں۔"

"سر۔ ہمارے پاس مکمل ثبوت ہے۔"

"مکمل ثبوت ہے، لیکن کس بات کا؟" نواب صاحب نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ان کے قاتل ہونے کا۔"

"نہیں۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟" نواب فرقان کے لہجے میں خوف جھلک آیا۔

"جی ہاں۔ ملاحظہ فرمائیے۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے رپورٹیں پیش کر دیں اور تفصیل بتاتے چلے گئے۔ آخر بولے:

"ان حالات میں ان کا یہ کہنا بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کی کار سے ایک گائے ٹکرائی تھی۔"

"ہوں۔ گابا۔ یہ کیا معاملہ ہے؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میری کار سے ایک گائے ہی ٹکرائی تھی۔ ہو سکتا ہے۔ کسی نے میرے خلاف سازش کی ہو اور ماشی میاں کا خون کار میں لگا دیا ہو۔ یا یہ حرکت خود قاتل نے کی ہو۔"

"نہیں جناب۔ جس وقت قتل ہوا۔ میرے دو ماتحت ماشی میاں کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ انھوں نے اس کی چیخ سنی تھی۔ اس کے صرف چند منٹ بعد ان کی کار ڈیوڈ چوک

سے گزری اور ادھر آ گئی۔ ڈیوڈ چوک سے محمود، فاروق اور فرزانہ نے ان کا تعاقب کیا اور یہاں تک آئے۔ انھوں نے کار میں لگا ہوا خون دیکھا اور پولیس کو فون کر دیا۔ ان حالات میں کسی کو اتنی مہلت کب مل سکتی تھی کہ وہ گائے کا خون صاف کر کے انسانی خون لگاتا۔"

"ہوں۔ گابا۔ تم کیا کہتے ہو؟"

"میں۔ میں آپ کا دوست ہوں۔ میری بجائے آپ جواب دیں۔" گابا نے کندھے اچکائے۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ انسپکٹر جمشید۔ اس معاملے میں ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ راے گابا واقعی ایسے آدمی نہیں ہیں۔"

"میں پوری طرح تسلی کر چکا ہوں جناب۔ قاتل صرف اور صرف راے گابا ہیں۔" انسپکٹر جمشید ٹھہری ہوئی آواز میں بولے۔

"ہوں۔ کمرۂ واردات سے کوئی اور چیز تو نہیں ملی۔" راے گابا نے سوچ کے انداز میں کہا۔

"کیوں۔ یہ کیوں پوچھا آپ نے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شاید کسی نے مجھے پھنسانے کی کوشش کی ہے۔"

"ہوں! کمرۂ واردات سے خون میں ڈوبی ایک صلیب ملی ہے۔ عیسائی لوگ اس جیسی صلیبیں اپنے گلے میں لٹکائے رکھتے ہیں۔"

"اوہ۔ لیکن میرے پاس کبھی بھی وہ صلیب نہیں رہی۔"

"میں ایک شخص کو جانتا ہوں — جو ہر وقت صلیب گلے میں ڈالے رکھتا ہے" داسے گاما نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"لیکن جناب — صلیب تو نہ جانے کتنے عیسائی گلے میں ڈالے رہتے ہیں" انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے — اگر آپ مجھے بطور قاتل گرفتار کریں گے تو پھر میرا وکیل عدالت میں یہ سوال اُٹھائے گا کہ وہاں وہ صلیب کہاں سے آئی — آخر صلیب کا مالک کون ہے — اس سوال کا آپ کیا جواب دیں گے"

"معاملہ صرف اس صلیب کا نہیں ہے — خُون کا ہے — جو خُون کار میں لگا ہے — وہی فرش پر پھیلا ہوا تھا — ان حالات میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ صلیب راضی میاں کی رہی ہو گی"

"لیکن راضی میاں مُسلمان تھے" گاما نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے — لیکن ان کے کسی عیسائی دوست نے انھیں وہ صلیب دی ہو گی"

"گویا آپ ہر طرح مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں — خیر مجھے کوئی اعتراض نہیں — ارے — یہ بات تو میں بھول ہی گیا" اس نے چونک کر کہا۔

"کون سی بات؟"

"میرے ایک دوست کے گلے میں ہر وقت ایک صلیب لٹکی رہتی ہے — کہیں وہ صلیب اس کی نہ ہو اور اگر وہ صلیب اس کی

ہے تو پھر قاتل وہ بھی ہو سکتا ہے"

"لیکن کیسے — پھر آپ کی کار میں مقتول کا خُون کیوں لگا ہوا تھا؟" انسپکٹر جمشید نے تلملا کر کہا۔

"میں عرض کرتا ہوں — اور بالکل سچی بات عرض کرتا ہوں — سچ یہی ہے کہ میں راضی میاں سے ملنے گیا تھا"

"کیا؟" نواب فرقان چلّا اُٹھے — انسپکٹر جمشید کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی — البتہ محمود، فاروق اور فرزانہ اسے گھورنے لگے۔

"جی ہاں جناب — میں جب وہاں پہنچا — راضی میاں تڑپ رہے تھے — گھبراہٹ کے عالم میں میں نے ان کے جسم کو پکڑ لیا — تاکہ ان کا تڑپنا کم ہو جائے، پھر جوں ہی یہ خیال آیا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے — تو میں فوراً پچھلے راستے سے نکل آیا اور کار میں بیٹھ کر گھر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا — تو یہ تھی وجہ کار میں مقتول کے خُون کی"

"لیکن جناب — آپ نے یہ وجہ پہلے کیوں نہیں بتائی — اس خون کو کار کے خُون کیوں کہتے رہے"

"اس وقت مجھے نہیں معلوم تھا کہ — کہ آپ لوگ یہاں پہنچ جائیں گے اور میرے خلاف تفتیش کریں گے" اس نے فوراً کہا۔

"لیکن جناب — ایک مشکل اور ہے" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور وہ کیا؟" داسے گاما نے جلدی سے کہا۔

"جب لیبارٹری میں خون کا تجزیہ کیا جا رہا تھا۔ میں اس وقت ایک اور کام کر رہا تھا۔"

"میں سمجھا نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" رائے گاہا کے لہجے میں اُلجھن تھی۔

"مطلب یہ کہ میں اس وقت تمام مقتولین کا آپس میں تعلق جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور ایک حیرت انگیز بات سامنے آئی ہے۔"

"حیرت انگیز بات۔ کیا مطلب؟" نواب فرقان بیگ چونکے۔

"اور اس بات کی رو سے بھی قاتل آپ ہی ثابت ہوتے ہیں۔" وہ بولے۔

"تو پھر بتائیے نا۔ وہ کیا بات ہے۔" نواب فرقان بے چین ہو گئے۔

"اس وقت تک سات آدمی موت کے گھاٹ اُتارے جا چکے ہیں۔ ساتوں آدمیوں کا کسی نہ کسی طرح آپ سے تعلق ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً راحت میاں آپ کے دفتر میں مُلازم تھے، ایک مقتول آپ کا پرانا دوست تھا۔ اگرچہ آج کل دوست نہیں تھا۔ کسی زمانے میں آپ کا اس سے گہرا دوستانہ تھا۔ ایک تیسرا مقتول آپ کے گھر میں کسی زمانے میں ملازم تھا۔ دو آدمی ایسے قتل کیے گئے جو آپ کے پہلے محکمے میں تھے۔ یعنی پہلے آپ اس محکمے میں مُلازم

تھے۔ دو مقتول ایسے ہیں۔ جو خالص کاروباری لوگ ہیں، لیکن ان سے بھی آپ کا تعلق ثابت ہو گیا۔ آپ نے ان دونوں کو کاروبار میں لگانے کے لیے سرمایہ دیا تھا۔ گویا ساتوں آدمی جو قتل کیے گئے۔ ان کا کسی نہ کسی طرح آپ سے تعلق تھا۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"اس سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قاتل میں ہوں۔" رائے گاہا مسکرایا۔

"تو پھر ایک آخری بات سُن لیں۔" انسپکٹر جمشید بھی جواب میں مسکرائے۔

"آخری بات۔ چلیے آخری بات بھی سُنا دیں۔"

"یہ کہ باقی چھے مقتولین کے ہاں بھی ان کی موت کے وقت آپ کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ ان کی موت سے چند منٹ پہلے آپ کا ان کے ہاں جانا ثابت ہے۔ اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ماہر سے ماہر وکیل بھی آپ کو عدالت سے بری نہیں کرا سکتا، کیوں کہ اس مکمل ترین ثبوت کے بعد کوئی عدالت آپ کو بے گناہ خیال نہیں کر سکتی، کیوں کہ جواب میں آپ اپنی موجودگی کہیں اور ثابت نہیں کر سکتے۔ سات قتل ہوئے۔ ساتوں موقعوں پر آپ پائے گئے۔ اور موت سے پہلے وہاں گئے، لیکن کسی ایک مقتول کے پاس جانے کے بارے میں بھی

آپ نے پولیس میں اطلاع نہیں دی۔ کہ فلاں آدمی جو قتل ہوا ہے۔ اس کے قتل سے کچھ دیر پہلے تو میں بھی اس سے ملنے گیا تھا۔ ان حالات میں میں آپ کو گرفتار کیے بغیر نہیں رہ سکتا، ہمارے خیال میں ہمارے پاس بہت مکمل ثبوت موجود ہے۔ آپ اپنی کوشش عدالت میں کر لیجیے گا۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔" رائے گاہا نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کس کی ضرورت نہیں۔"

"عدالت میں کوئی کوشش کرنے کی۔ عدالت میں تو میں اس وقت کوشش کروں گا نا۔ جب اس کی نوبت آئے گی، لیکن میرا خیال ہے۔ ایسی نوبت نہیں آئے گی۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"نواب صاحب۔ میری طرف سے آپ جواب دیں نا۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب۔"

"جی۔ کیا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ انہیں گرفتار نہ کریں۔"

"لی۔ لیکن کیوں سر؟" انسپکٹر جمشید کا لہجہ قدرے تیز ہو گیا۔

"مسٹر رائے گاہا۔ ہمارے ملک کے لیے کوئی غیر اہم آدمی نہیں ہیں۔ بہت اہم ہیں۔"

"لیکن سر۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قاتل ہوتے ہوئے انہیں گرفتار نہ کیا جائے۔"

"بعض حالات میں ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"سر۔ کیا اس وقت انھوں نے فون کرکے آپ کو بلایا تھا۔ یا آپ خود تشریف لائے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، انھوں نے ہی فون کیا تھا۔ شاید انھوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ انہیں گرفتار کرنے کے لیے آنے والے ہیں۔"

"میرا بھی یہی اندازہ تھا۔ مہربانی فرما کر مجھے انہیں گرفتار کرنے دیجیے، تاکہ قانون کے تقاضے پورے ہو سکیں۔"

"افسوس! میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس معاملے کو گول کرنا ہوگا انسپکٹر جمشید۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے سر۔" انسپکٹر جمشید نے بدحواس ہو کر کہا۔

"آپ نہیں جانتے۔ رائے گاہا اس وقت ملک کی کس قدر خدمت کر رہے ہیں۔"

"ملک کی خدمت کرنے والے لوگ بے شک ہوں، کہ قتل میں

کرتے پھرتے۔ کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ انھوں نے ان سات آدمیوں کو کیوں ہلاک کیا۔ کیا وجہ تھی اس کی؟"

"یہ کہہ چکا ہوں۔ میں نے انھیں قتل نہیں کیا، آپ اس صلیب کے مالک کی طرف کیوں توجہ نہیں دیتے؟"

"ہم اسے بھی تلاش کریں گے۔ صبح کے اخبارات میں اس صلیب کا اعلان بھی ہو گا، لیکن میرا خیال ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ قاتل پھر بھی آپ ہی رہیں گے۔"

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ میں نے ایک صلیب ہیڈ ماتھر گریٹ کے گلے میں لٹکتی دیکھی ہے۔ اور ماتھر گریٹ مجھ سے اکثر ملنے آتا ہے۔ وہ عیسائیوں کا روحانی پیشوا ہے۔ عیسائیوں کے مسائل کے سلسلے میں بات چیت کرنے اور نواب صاحب سے ذکر کرنے کے لیے اکثر مجھ سے ملتا رہتا ہے۔ کیا آپ کا یہ فرض نہیں بنتا کہ آپ اس سے بھی پوچھ گچھ کریں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ لیکن پہلے میں آپ کو گرفتار کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر میری ایک درخواست ہے۔" آخر منگ اکر راتے گا با نے کہا۔

"میں ضرور سنوں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی نہ لگا کر لے جایا جائے۔"

"سوری۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ دیکھ رہے ہیں نواب صاحب۔ میں کس قدر شرافت سے پیش آ رہا ہوں، لیکن انسپکٹر جمشید کسی طرح بھی رواداری نہیں برت رہے۔"

"سات آدمیوں کے قاتل سے میں کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔"

"میرا خیال ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں انسپکٹر جمشید۔" نواب صاحب بولے۔

"ہوں! اگرچہ یہ بھی قانون کے خلاف ہے، تاہم میں آپ کا احترام کرتے ہوئے مان لیتا ہوں۔" آخر انسپکٹر جمشید نے بھی مجبور ہو کر کہا۔

"شکریہ۔ چلیے۔ میں تیار ہوں۔ لیکن وعدہ کیجیے۔ مجھے حوالات پہنچا کر آپ ماتھر گریٹ سے ضرور پوچھ گچھ کریں گے۔ مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سارے قتل اس نے کیے ہیں۔"

"میں ضرور معلوم کروں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ راتے گا با کو جیپ کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا۔ انسپکٹر جمشید اپنی جیپ میں اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ متعلقہ تھانے میں راتے گا با کو پہنچا دیا گیا۔ تھانے کے انچارج کو ساری بات اچھی طرح سمجھا دی گئی۔ اور پھر وہ ماتھر گریٹ کی طرف روانہ ہوئے۔

"میں پریشانی محسوس کر رہی ہوں ابا جان۔" فرزانہ نے

پریشان ہو کر کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"جس وقت راجے گوبا نے گرفتاری دینے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ اس سے ذرا پہلے گورنر صاحب نے اسے اشارہ کیا تھا۔ گویا یہ کہا تھا۔ گرفتاری دے دو۔"

"تو پھر۔ اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کہیں گورنر صاحب اُسے حوالات سے نہ نکلوا دیں۔"

"ہاں! ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس کی ذمے داری مجھ پر نہیں۔ گورنر صاحب پر ہو گی۔ تم فکر نہ کرو۔"

"جی بہتر!"

بیس منٹ بعد وہ شہر کے سب سے بڑے گرجے کے سامنے رک چکے تھے۔ جلد ہی وہ پادری ماتھر گریٹ کے سامنے بیٹھے تھے۔

"اس صلیب کو پہچانتے ہیں آپ؟"

"جی۔ جی ہاں۔ یہ میری ہے۔ آپ کو کہاں سے ملی؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ ایک مقتول کے خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔"

"کیا؟" ماتھر گریٹ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں! تین گھنٹے پہلے ایک شخص راضی میاں کو قتل کیا گیا۔ اس کے سینے میں خنجر اتارا گیا تھا۔ اس کے نیچے سے یہ صلیب ملی ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں۔ یہ صلیب وہاں کس طرح پہنچی؟"

"یہ صلیب۔ میں خود اس کی تلاش میں تھا۔ کئی روز سے یہ گم تھی۔" اس نے کہا۔

"کیا آپ نے اس کی گم شدگی کی رپورٹ درج کروائی تھی؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ یہ اس قدر قیمتی نہیں ہے۔"

"لیکن خطرناک ضرور بن گئی ہے، کیوں کہ ایک لاش کے نیچے دبی پائی گئی ہے۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہ قاتل کے گلے میں تھی۔ کش مکش کی حالت میں موقعِ واردات پر گر گئی۔ تین گھنٹے پہلے آپ کہاں تھے؟"

"میں یہیں تھا۔ میرے بیسیوں ساتھی اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اور آپ کی صلیب کئی دن پہلے کہیں گر گئی تھی؟"

"ہاں!"

"کیا آپ راجے گوبا کو جانتے ہیں؟"

"بہت اچھی طرح۔"

"اور آپ اکثر ان سے ملنے جاتے ہیں؟"

"ہاں! اپنے لوگوں کے مسائل حل کرانے کے لیے جانا ہی پڑتا ہے۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ایسی کسی ملاقات کے دوران یہ صلیب گر گئی ہو۔"

"ہو سکتا ہے، لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ یہ کمرۂ واردات سے ملی ہے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ کمرۂ واردات میں مسٹر راے گابا کی موجودگی بھی ثابت ہو چکی ہے نا۔"

"اوہ!" پادری کے منہ سے نکلا۔

"بہرحال۔ آپ پر پھر بھی شک کیا جا سکتا ہے، لہٰذا میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ شہر سے باہر جانے کی کوشش نہ کیجیے گا۔ ایسی کسی کوشش کے نتیجے میں آپ کو گرفتار بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گیا اور یہ لوگ اُٹھ کر باہر آ گئے۔ ایک بوتھ سے انھوں نے متعلقہ تھانے کے نمبر ملائے اور سلسلہ ملنے پر بولے:

"ہیلو انسپکٹر صاحب۔ سنائیے۔ ہمارے راے گابا حوالات میں ٹھیک تو ہیں؟"

"جی وہ۔ انھیں تو رہا بھی کر دیا گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"گورنر صاحب کا فون آیا تھا۔"

"نہیں!" ان کے منہ سے جھلائے ہوئے انداز میں نکلا۔

دوسرے ہی لمحے ان کی جیپ گورنر ہاؤس کی طرف اُڑی جا رہی تھی۔

بھول جاؤ۔"

"لیکن کیوں سر؟"

"ہماری فوج میں بغاوت ہو جائے گی۔"

"کیا فرمایا آپ نے - فوج میں بغاوت ہو جائے گی۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا اُٹھے۔

"ہاں! فوج میں گابا کے ہم خیال لوگ بہت ہیں - اور وہ اسے اپنا رہنما خیال کرتے ہیں۔"

"لیکن سر - ایسے لوگوں کو فوج میں کیوں بھرتی کیا گیا۔" انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"فوج میں بھرتی ہوتے وقت تو وہ مسلمان ہی تھے - بعد میں گابا کی تقاریر نے انھیں دہریہ بنا دیا۔"

"اور اسے فوجیوں کے سامنے تقاریر کرنے کی اجازت کس نے دی؟"

"شاید تم رائے گابا کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے - وہ فوج میں اعلیٰ عہدے پر رہ چکا ہے - لیکن جب ہم نے دیکھا کہ اس نے بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو اللہ کا منکر بنا دیا ہے، تو اسے ریٹائر کرنا پڑا - اس کی ریٹائرمنٹ پر بھی بہت شور مچا تھا - ہم نے بہت مشکل سے اس شور کا گلا گھونٹا۔"

"اس صورت میں تو اسے ختم کر دینا مناسب تھا۔"

اللہ کا احسان ہے

گورنر نواب فرقان بیگ نے انھیں مسکرا کر دیکھا - اور بولے:

"میں آپ لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا، لیکن آپ مجھے الزام نہیں دے سکتے۔"

"جی - کیا مطلب؟"

"مجھے صدر مملکت نے فون کیا تھا - کہ رائے گابا کو حوالات سے نکلوا دوں۔"

"نہیں!!!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، بالکل یہی بات ہے - آپ ان سے بات کر لیں - مجھ سے انھوں نے یہی کہا تھا۔"

"جی بہتر!" انھوں نے کہا اور پاس ہی رکھے فون پر صدر مملکت کے نمبر ملائے۔

"ہیلو سر - آپ کا خادم بول رہا ہے۔"

"ہاں جمشید - میں انتظار کر رہا تھا - ابھی رائے گابا کو

"اس طرح اور شور مچتا۔"

"جی نہیں۔ سانپ کا سر کچلنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اب دیکھ لیں اس نے کس قدر طاقت پکڑ لی ہے۔"

"ہاں! مجھے اس کا احساس ہے، لیکن فوج سے اس کے خیالات اور اثر کو آہستہ آہستہ دور کیا جا سکتا ہے اور میں اس طرف خاص توجہ دے رہا ہوں۔ خاص اسلامی ذہن فوجی فوج کو تبلیغ کر رہے ہیں۔"

"ہوں! اور گاما کا کیا بنے گا؟"

"اسے اس وقت تک آزاد رہنے دو۔ جب تک ہم اس کے ہم خیال فوجیوں کو اسلام کی طرف نہیں لگا لیتے۔"

"افسوس! حالات کس قدر سنگین ہیں۔ اچھا خیر۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھ سے وعدہ کرو جمشید۔ تم رائے گاما کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔"

انسپکٹر جمشید نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ کہ وہ کیا وعدہ لینے لگے ہیں، پھر فوراً بولے:

"میں اسے گرفتار نہیں کروں گا سر۔"

"شکریہ جمشید۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔" یہ کہتے ہی صدر صاحب نے ریسیور رکھ دیا۔

نواب صاحب سے رخصت ہو کر وہ باہر نکلے۔ جیپ میں بیٹھے اور روانہ ہوئے:

"آج کی شکست زندگی بھر یاد رہے گی ابا جان۔" محمود بڑبڑایا۔

"ہاں بھئی۔ یہ تو ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اب کہاں کا ارادہ ہے؟"

"رائے گاما سے دو دو باتیں کریں گے۔" وہ بولے۔

"اب دو دو باتیں کرنے کا کیا فائدہ؟"

"ایک بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس سلسلے میں بات کروں گا۔"

"اور یہ آپ ہمیں بتائیں گے نہیں کہ وہ کیا بات ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تم واقعی سمجھ دار ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کا مطلب ہے ابا جان۔ میں اور محمود ناسمجھ ہیں۔" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"نہیں بھئی۔ میں نے یہ تو نہیں کہا۔" وہ بولے۔

آخر وہ پھر رائے گاما کی کوٹھی پہنچے۔ ملازم نے انہیں دیکھ کر کہا:

"آپ پھر آ گئے۔ شاید آج ساری رات یہی ہوتا رہے گا۔"

"نہیں غفور صاحب - تیسری ملاقات کے بعد ہم صبح سے پہلے ادھر نہیں آئیں گے - صبح کے بعد آتے ہیں یا نہیں - کچھ کہہ نہیں سکتے۔" فاروق بولا۔

"اچھا جناب - میں اطلاع کرتا ہوں۔"

"یار تمہیں یہ وعدہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"تو اور کیا کرتا - کیا ہم ساری رات ادھر ہی آتے رہیں گے - یوں بھی اب دن نکلنے میں دیر ہی کتنی رہ گئی ہے۔"

"ہوں - رہو نہیں بھئی - ذہن بہت الجھا ہوا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیوں - تمہارے ذہن کو کیا ہوا؟"

"دیکھ نہیں رہے - ملکی حالات کیا ہیں - ایک شخص سات قتل کرتا ہے - فوج میں لوگوں کو ورغلاتا ہے ، لیکن ہم اسے حوالات میں نہیں رکھ سکتے۔"

"واقعی بہت افسوس ناک صورت حال ہے۔"

"اس طرح تو لگتا ہے جیسے لوگ دن بدن طاقت ور ہوتے جائیں گے۔"

اسی وقت غفور آتا نظر آیا :

"صاحب کا موڈ بہت خراب ہے جناب ! تاہم وہ ملاقات

کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔"

"ہم ان کے شکر گزار ہیں۔"

غفور انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا - جلد ہی رائے گابا اندر داخل ہوا - اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے :

"اب آپ کیا چاہتے ہیں ، کیا پھر گرفتار کرنا ہے - اگر سو بار بھی گرفتار کریں گے تو سو بار ہی میں حوالات سے نکل آؤں گا ، آپ مجھے سمجھتے کیا ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں جناب - ہم آپ کو گرفتار کرنے نہیں آئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر کس لیے آئے ہیں ؟"

"صرف اور صرف ایک سوال کا جواب پوچھنے۔" انہوں نے کہا۔

"تو پھر پوچھیے۔" اس نے کہا۔

"آپ نے ان سات آدمیوں کو کیوں ہلاک کیا ؟"

"میں نے ہلاک کیا ہی نہیں تو کیا بتاؤں۔"

"اگر آپ مجھے وجہ بتا دیں تو میری الجھن دور ہو جائے گی۔"

"میں نے کہہ دیا ہے کہ میں نے ان میں سے ایک کو بھی قتل نہیں کیا۔"

"جب کہ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ آپ نے ہی ان ساتوں کو ہلاک کیا ہے۔"

"تب پھر۔ میں آزاد کیوں پھر رہا ہوں۔ مجھے گرفتار کیجیے نا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"میں آپ کو گرفتار کر چکا۔ اپنا فرض پورا کر چکا۔" وہ بولے۔

"اور میں آپ کو بتا چکا کہ میں نے ان ساتوں آدمیوں میں سے ایک کو بھی ہلاک نہیں کیا۔"

"بہت بہتر۔ میں بہت جلد وجہ معلوم کر کے رہوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"کیا آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟"

"نہیں۔ یہ صرف اطلاع ہے۔"

"آپ جا سکتے ہیں اور اب مجھے پریشان کرنے نہ آئیے گا۔"

"جی اچھا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"غفور۔ ان لوگوں کو باہر تک چھوڑ آؤ۔ اور دروازے اندر سے بند کر لو۔"

"جی بہتر۔" غفور کی آواز سنائی دی، پھر وہ دروازے پر نمودار ہوا۔

وہ اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔

"آپ رائے صاحب کے ہاں کب سے ملازم ہیں؟" محمود نے غفور سے پوچھا۔

"بہت عرصہ ہو گیا۔"

"کیا آپ اللہ کو مانتے ہیں؟"

"پہلے مانتا تھا، لیکن اب کہتا ہوں۔ یہ سب خیالی باتیں ہیں۔"

"گویا رائے گابا کی صحبت کا اثر آپ نے بھی قبول کر لیا۔" فاروق طنزیہ لہجے میں بولا۔

"جب ان کی باتیں سنی جائیں تو پھر پتا چلتا ہے۔ کتنا وزن ہوتا ہے۔ ان میں۔"

"کاش۔ وہ اس موضوع پر مجھ سے بھی بات کرتے، پھر میں انھیں بتاتا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں۔ حاضر و ناظر ہیں۔ اور ہر چیز انھی کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ ان کے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا۔"

"اس موضوع پر بات کرنے کے لیے آپ فون پر ان سے وقت لے سکتے ہیں۔ اور لوگ بھی وقت لیتے رہتے ہیں۔"

"ہوں! مجھ سے اب وہ ملاقات نہیں کریں گے۔" انھوں نے نفی میں سر ہلایا۔

آخر وہ باہر نکل آئے۔ اور جیپ میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کسی غیر مرئی طاقت کے اشارے

پر ہمارے ملک کے فوجیوں کا ذہن بدلتا رہا ہے۔ اور اب بھی ان کے مشاغل کچھ اسی قسم کے ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"سوال یہ ہے کہ اس نے سات آدمیوں کو قتل کیوں کیا؟" فرزانہ بولی۔

"یہ راز معلوم کیے بغیر ہمیں چین نہیں آئے گا۔" فاروق نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"اور مزے کی بات یہ کہ اسے فوج سے ہٹا کر محکمۂ اطلاعات کا انچارج لگا دیا گیا۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ اب یہ محکمہ اطلاعات میں اپنے ماتحتوں کو نہیں ورغلاتا ہوگا۔ ارے۔" فرزانہ کہتے کہتے چونک پڑی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ کوئی ارے تو بھولے سے ٹپکا۔" محمود نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"جلدی بتاؤ فرزانہ۔ کہیں یہ ارے تمہارے ذہن کی کھڑکیوں سے اڑنچھو نہ ہو جائے۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کہیں۔ کہیں یہ ساتوں آدمی اس کی تبلیغ سے باغی ہو کر اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا فیصلہ تو نہیں کر بیٹھے تھے۔" فرزانہ بولی۔

"اتنی سی بات پر وہ انہیں کیوں قتل کرتا۔" محمود نے

یا پھر وہ اس کے کسی اہم راز سے واقف ہو گئے ہوں گے۔"

"خیر۔ کوئی نہ کوئی وجہ تو قتل کی ضرور ہو گی۔ ورنہ اس کا دماغ نہیں پھرا ہوا۔ وہ تو بہت چالاک آدمی ہے۔ اتنا چالاک کہ ہماری اچھی بھلی اسلامی فوج کے ایک بڑے حصے کو غیر اسلامی اس کا بنا دیا۔"

"ہمیں کسی مقتول کے گھر والوں سے بات کرنا ہو گی۔ اس طرح ہمیں ضرور کوئی کام کی بات معلوم ہو سکتی ہے۔"

"لیکن کیا فائدہ۔ ہم اسے گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"یہ بعد کی بات ہے۔ آؤ۔ ایک مقتول کے گھر والوں سے ملاقات کر ہی لی جائے۔"

انھوں نے جیپ کا رُخ موڑ دیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ ایک گھر کے سامنے رُکے۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ محمود نے دستک دی۔ تیسری دستک پر ایک نوجوان آدمی نے دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھوں میں نیند تھی۔

"جی فرمایئے۔"

"ہم کچھ بات کرنے آئے ہیں۔ ہمارا تعلق محکمۂ سراغ رسانی سے ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔ آپ میرے بھائی انوار صدیقی کے بارے میں

گفتگو کریں گے۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔ ہمیں افسوس ہے۔ ہم نے آپ کے دکھ کو تازہ کر دیا۔"

"کوئی بات نہیں جناب، آئیے۔"

اور وہ اس کے ساتھ ایک کمرے میں آ بیٹھے۔

"آپ کے بھائی کے مشاغل کیا تھے؟"

"وہ کاروبار کرتے تھے۔ رائے گابا نے کاروبار کرنے کے لیے انھیں سرمایہ دیا تھا۔ اور بدلے میں انھوں نے کچھ بھی نہیں چاہا تھا، اپنے قرض کا بھی کبھی مطالبہ نہیں کیا۔ بہت اچھے آدمی ہیں مسٹر گابا۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں! کیا آپ کے بھائی رائے گابا سے ملنے کے لیے بھی جایا کرتے تھے؟"

"ہاں! اکثر جاتے تھے۔ ان کا فون بھی آتا رہتا تھا۔ جب بھی ان کا فون آتا۔ وہ گابا صاحب سے ملنے چلے جاتے۔" اس نے بتایا۔

"آپ کے بھائی اللہ کے منکر تو نہیں تھے؟"

"جی۔ کیا مطلب؟" اس کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"کیا آپ نے اللہ کے منکر کا مطلب پوچھا ہے؟"

"ہاں! میں نہیں جانتا، اللہ کا منکر کیا ہوتا ہے۔"

"جو اللہ کا انکار کرے۔ اللہ کو نہ مانے، یہ کہے کہ اللہ ہے ہی نہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یہ کیا اوٹ پٹانگ عقیدہ ہے۔ میرا بھائی ایسے کسی عقیدے کو نہیں مانتا تھا۔"

"اور رائے گابا اکثر ان سے کام لیتے تھے۔ یہ تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"رائے گابا کبھی یہاں بھی آئے تھے ان سے ملنے کے لیے؟"

"جی ہاں! آتے رہتے تھے اکثر۔"

"جس روز آپ کے بھائی قتل ہوئے۔ اس روز بھی تو وہ ملنے آئے تھے؟"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تو کیا آپ لوگوں نے انھیں جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا؟"

"نہیں! وہ رات کے وقت ملنے آئے تھے، ان کی گفتگو بھی ہو گئی تھی۔ ہم سو گئے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم۔ گابا صاحب کب گئے۔ ہم تو ان کی چیخ سن کر جاگے تھے۔"

"کیا رائے گابا بھی قاتل ہو سکتے ہیں؟"

"ارے نہیں صاحب۔ کیا بات کرتے ہیں، وہ اور قاتل۔ نہیں نہیں ہو سکتا!" اس نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"شکریہ!" انھوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میرا خیال ہے، سب مقتولین کے رشتے دار اسی قسم کی باتیں بتائیں گے — ان میں سے ایک کو بھی یہ گمان نہیں کہ قاتل رائے گابا بھی ہو سکتا ہے، جب کہ قاتل وہی ہے — ہمیں صرف وجہ معلوم کرنا ہے کہ اس نے اتنا گھناؤنا جرم کیوں کیا۔" انسپکٹر جمشید جیپ میں بیٹھنے کے بعد بولے۔

"لیکن ابا جان! اس کا فائدہ کیا ہوگا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کس کا؟" وہ بولے۔

"وجہ معلوم کر لینے کا۔ کیا اس کے بعد ہم رائے گابا کو گرفتار کر سکیں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں، پھر ہم یہ معاملہ صدر صاحب کے سامنے رکھیں گے۔" انھوں نے کہا۔

"اگر انھوں نے بھی گورنر صاحب کی بات مانی۔"

"پھر میں کچھ اور سوچوں گا — مجرم کو سزا ضرور مل کر رہے گی، فکر نہ کرو — ہمارے راستے میں اس قسم کے بڑے مجرم پہلے بھی بہت آ چکے ہیں — دراصل اصل خرابی ان بڑے مجرموں کی وجہ سے ہی پیدا ہو رہی ہے — اگر ہم انھیں ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ایک بہترین معاشرہ ملک میں نظر آنے لگے گا۔"

"اللہ کرے ہم اس نیک مقصد میں کامیاب ہوں، لیکن مجھے

تو یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔"

"بیل کا کیا ہے — اسے ہم خود چڑھا لیں گے۔" فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"کس قدر بے تکی بات کہی تم نے۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"اور اسے آتا ہی کیا ہے۔"

"لیکن میرے خیال میں فاروق نے یہ ایک عدد بہت کام کی بات کی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی —" محمود اور فرزانہ نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہاں! غور کرو گے تو تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گے۔"

"تب ہم غور کرتے ہی نہیں۔" محمود جلدی سے بولا۔

"ہاں! مجھ سے ضد جو ہوئی۔"

"سنو بھئی — یہ کام یوں نہیں بنے گا۔" انسپکٹر جمشید نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"جی تو پھر کس طرح بنے گا — ہم اسی طرح کر لیتے ہیں۔" محمود بولا۔

"ہمیں خفیہ طور پر رائے گابا کی کوٹھی میں داخل ہونا پڑے گا۔" وہ بولے۔

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"لیکن ابا جان! یہ بہت خطرناک کام ہے — اگر ہم پکڑے گئے

تو رائے گابا کوئی رعایت نہیں کرے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم اس سے رعایت مانگیں گے بھی نہیں۔" وہ بولے۔

ایک بار پھر ان کا رُخ رائے گابا کی کوٹھی کی طرف ہوگیا، جیپ انھوں نے کوٹھی سے قدرے فاصلے پر ہی چھوڑ دی اور پیدل چلتے کوٹھی تک آئے۔ پہلے انھوں نے اس کا ایک چکر لگایا، پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"فاروق کے لیے کام نکل ہی آیا۔"

یہ الفاظ انھوں نے پانی کے پائپ کو دیکھتے ہوئے کہے۔ فاروق نے پہلے تو منہ بنایا، پھر جوتے اُتار کر پائپ پر چڑھنے لگا۔

"اللہ کا کتنا احسان ہے کہ اس نے ہمیں فاروق دیا، ورنہ ہمیں پائپوں پر چڑھنا پڑا کرتا۔" فرزانہ نے شریر لہجے میں کہا۔

"دیکھیے ابّا جان۔ یہ مجھے غصّہ دلا رہی ہے۔"

"تو تم غصّے میں آتے ہی کیوں ہو۔" محمود بولا۔

"غصّے میں آتا ہے میرا جوتا۔"

"لیکن وہ تو نیچے پڑا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"یہ تو اور بھی اچھا ہے، اس کے جوتے کا اثر مجھ تک نہیں پہنچے گا۔"

"بھئی چپ رہو۔ ہمیں ہر ممکن احتیاط کرنا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو اس پروگرام کو کینسل کر دیں ابّا جان۔" فاروق اوپر سے بولا۔

"نہیں بھئی۔ میں اُٹھے ہوئے قدم واپس لینے کا عادی نہیں، جو قدم اُٹھ گئے، وہ اُٹھ گئے۔"

چھت پر پہنچ کر فاروق نے سر نیچے کی طرف جھکایا اور دبی آواز میں بولا:

"اب کیا حکم ہے ابّا جان؟"

"نیچے اُتر کر کوئی دروازہ کھول دو۔ تاکہ ہم سب کو پائپ پر نہ چڑھنا پڑے۔"

"بہت بہتر۔ آپ صدر دروازے کی طرف آ جائیں۔"

"نہیں۔ صدر دروازے کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔ کسی کمرے کی کھڑکی کھول دو۔ اگر اس میں سلاخیں نہ ہوئیں تو ہم اندر داخل ہو سکتے ہیں۔"

"خیر۔ میں دیکھتا ہوں۔"

وہ وہاں سے ہٹ کر زینے پر آیا۔ زینے کا دروازہ بند تھا لہٰذا اسے پھر ان کی طرف آنا پڑا۔

"کام نہیں بنے گا۔ زینے کا دروازہ بند ہے۔"

"اوہ ۔ اچھا خیر۔ میں اوپر آتا ہوں ۔ رسی لٹکا کر تمہیں نیچے اُتار دوں گا ۔ اس طرح تم زینے کا دروازہ کھول سکتے ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔ اور پائپ پر چڑھنے لگے ۔

اوپر چڑھ کر انھوں نے رسی نیچے لٹکا دی ۔ اور منڈیر پر بنے ایک ستون سے اسے باندھ دیا ۔ فاروق رسی کے ذریعے نیچے پھسلتا چلا گیا ، پھر اس نے زینہ کھول دیا ۔ اتنی دیر میں محمود اور فرزانہ بھی اوپر آ چکے تھے ۔ اب چاروں زینہ اُترنے لگے ۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے ، کیوں کہ ایسے میں اگر رائے گاہا سے سامنا ہو جاتا تو صورتِ حال نازک ہو جاتی ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حد درجہ احتیاط سے قدم اُٹھا رہے تھے ۔

صحن میں زیرو کا بلب روشن تھا ۔ اس کے دائیں طرف ایک برامدہ تھا ۔ وہ اس برامدے تک آئے ۔ آخری کمرے میں انھیں روشنی نظر آئی ۔ وہ اس کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے ۔

سب سے پہلے فرزانہ نے کمرے کے دروازے پر کان لگائے ۔ لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی ۔ اس نے سر ہلا کر نفی میں ہلایا ۔

اب انسپکٹر جمشید نے چابیوں کا گچھا نکالا اور ایک چابی تالے کے سوراخ میں گھمائی ۔ کھٹ کی آواز سنائی دی ۔ انھوں نے ہینڈل گھمایا ، ساتھ ہی دروازہ کھل گیا ۔ اب وہ اندر داخل ہوئے ۔ انھوں

نے دیکھا ۔ وہ لائبریری روم میں کھڑے تھے ۔ ان کے چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں ۔ انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر دروازہ بند کر دیا اور تالا لگا دیا ۔ اب وہ لائبریری کا جائزہ لینے لگے ۔ لیکن یہ کام کوئی چھوٹا سا کام نہیں تھا ۔ انسپکٹر جمشید کتابوں کا جائزہ لے رہے تھے ۔ جب کہ محمود ، فاروق اور فرزانہ کتابوں کے ریک ٹٹول رہے تھے ۔

اچانک انھوں نے ایسی آواز سنی ، جیسے کوئی تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہا ہو ۔ وہ دھک سے رہ گئے ۔ سمجھ نہ سکے کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے ۔ تاہم آواز کمرے میں گونج رہی تھی ۔

انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور انھیں اشارہ کیا ۔ چاروں ایک کھڑکی کے پردے کے پیچھے جا کھڑے ہوئے ۔ پردہ فرش تک تھا ۔ اس لیے جوتوں کے دیکھ لیے جانے کا خطرہ نہیں تھا ۔ عین اسی وقت کتابوں کا ایک ریک کسی کھڑکی کے پٹ کی طرح ہٹا اور خلا نظر آیا ، پھر اس خلا میں رائے گاہا نظر آیا ۔ پہلے اس کا سر نظر آیا ، پھر سینہ اور آخر وہ اوپر آ گیا ۔ گویا وہی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا ۔ اس نے ریک کو پھر برابر کیا اور کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا ۔ دوسرے ہی لمحے انھوں نے چابی گھومنے کی آواز سنی ۔ دروازہ کھل گیا ۔ رائے گاہا کمرے سے نکل گیا اور پھر دروازہ بند ہو گیا ۔ اس کے بعد بھی وہ ایک منٹ تک وہیں

دبکے رہے۔ آخر باہر نکل کر دروازے پر آ گئے۔ دروازے کو تالا لگا دیا گیا تھا۔ وہ اس ریک کی طرف بڑھے۔ اس کے ایک طرف دباؤ ڈالا تو کھل گیا۔ اب وہ بے دھڑک نیچے اُترنے لگے۔ نیچے ایک صاف ستھرا کمرہ نظر آیا۔ اس میں کرسی اور میز موجود تھی۔ میز پر چند آلات نصب تھے۔ یہ آلات پیغام وصول کرنے اور بھیجنے والے تھے۔

میز پر ایک کاغذ بھی موجود تھا۔ اس میں کسی نامعلوم زبان میں کچھ لکھا تھا۔ انھوں نے کاغذ اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ کمرے میں اور کچھ نہیں تھا۔ انھوں نے واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ سیڑھیاں چڑھتے جُوں ہی وہ اُوپر تک پہنچے۔ انھوں نے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سُنی۔

لمبے ہاتھ

انھوں نے جلدی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ زینے سے نکل کر کھڑکی کے پردے کے پیچھے جا چھپیں، لہٰذا انھوں نے ریک کو پھر برابر کیا اور نیچے اُترنے لگے۔ کمرے میں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ میز بھی اتنی بڑی نہیں تھی کہ اس کے نیچے چھپا جا سکے۔ اچانک انسپکٹر جمشید کو ایک ترکیب سوجھی۔ انھوں نے تہ خانے میں جلنے والے بلب کو اپنے رومال سے پکڑا اور ہولڈر سے نکال لیا۔ اب تہ خانے میں گھپ اندھیرا ہو چکا تھا۔ نیچے اُترنے والا انھیں فوری طور پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

عین اسی وقت ریک ہٹا اور راسکے گابا کی آواز سُنائی دی:
"ارے یہ کیا۔ اوہ۔ شاید بلب فیوز ہو گیا۔ خیر چھوڑو، کاغذ کا پُرزہ صبح اُٹھا لوں گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ریک پھر بند ہو گیا۔ وہ دو منٹ

تک دم سادھے کھڑے رہے، پھر انسپکٹر جمشید نے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی۔ اور بلب کو پھر ہولڈر میں لگا دیا، پھر اس کے سوئچ میں کوئی خرابی کر دی۔ بلب پھر بجھ گیا۔ اب وُہ پنسل ٹارچ کی مدد سے اوپر آئے۔ کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آئے،

"سنو بھئی۔ میں چاہتا ہوں۔ ہماری یہاں آمد کا کوئی نشان نہ رہ جائے۔ اس لیے جس طریقے سے ہم یہاں آئے ہیں، اسی طرح واپس جائیں گے۔" انھوں نے سرگوشی کی۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔"

انسپکٹر جمشید، محمود اور فرزانہ زینے کے ذریعے چھت پر پہنچے، فاروق نے زینہ اندر سے بند کیا اور نیچے آیا، پھر رسی کے ذریعے چھت پر پہنچا۔ ساتھ ساتھ انھوں نے اپنی انگلیوں کے نشانات بھی مٹائے تھے۔ نیچے اُتر کر وُہ جیپ میں سوار ہوئے۔ ایک گھنٹے بعد وُہ ایک گھر کے دروازے پر دستک دے رہے تھے، تین منٹ بعد دروازہ کھلا اور جھنجلائی ہوئی آواز کانوں سے ٹکرائی:

"کیا مصیبت آ گئی ہے بھئی۔ کیا دن نہ نکلتا؟"

"دن ضرور نکلے گا، لیکن جیلانی صاحب۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"ارے۔ یہ تو انسپکٹر جمشید صاحب کی آواز ہے۔ اوہو۔ یہ تو واقعی آپ لوگ ہیں۔ تب تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

"معافی ہمیں مانگنا چاہیے۔ آپ کے آرام میں خلل ڈالا۔"

"آئیے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

وُہ انھیں اندر لے آئے۔ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد انسپکٹر جمشید نے جیب سے وُہی پرزہ نکالا اور ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولے:

"ذرا یہ پڑھ دیں۔ بلکہ بہتر ہوگا۔ اس کا ترجمہ لکھ دیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور اُن جانی تحریر پر نظریں جما دیں۔ دُوسرے ہی لمحے ان کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے، پھر انھوں نے جلدی جلدی چند سطریں لکھیں، اور دونوں کاغذ ان کی طرف بڑھا دیے۔ انھوں نے کاغذ لیے اور جیب میں رکھ لیے،

"کیا آپ ترجمے کو پڑھ کر نہیں دیکھیں گے؟"

"گھر جا کر پڑھوں گا۔ آپ آرام کریں اور اس پرزے کا ذکر کسی سے بھی نہ کریں۔ ورنہ آپ کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ کسی کو نہیں معلوم کہ ہم پرزہ لے کر یہاں آئے ہیں۔ اصل آدمی خفیہ تحریر پڑھنے والے سرکاری اہل کار، پر شک کرے گا۔ اس کی حفاظت کا بندوبست

بھی کرنا ہوگا۔"

جیلانی صاحب کچھ نہ بولے۔ وہ انھیں رخصت کرنے دروازے تک آئے۔ وہ ان سے رخصت ہو کر گھر پہنچے تو بیگم جمشید نے اطلاع دی:

"صدرِ مملکت تین بار فون کر چکے ہیں۔ ان کی ہدایت ہے کہ جُوں ہی آپ لوگ پہنچیں، ان کی طرف روانہ ہو جائیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ وہ اُلٹے قدموں جیپ تک پہنچے اور ایوانِ صدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

صدرِ مملکت اپنے کمرے میں بے تابانہ ٹہل رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر انھوں نے ٹہلنا بند کر دیا:

"جمشید۔ تم آگئے۔ آؤ بیٹھو۔"

"شکریہ سر۔ خیر تو ہے؟"

"جمشید۔ میں نے تم پر بہت ظلم کیا ہے۔ مجھے معاف کر دو۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں سر۔ آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے سر۔"

"میں ٹھیک کہ رہا ہوں جمشید۔ آج میں اس ظلم اور زیادتی کا بدلہ چکاؤں گا۔"

"آپ۔ کہنا کیا چاہتے ہیں سر؟"

"دیکھو نا جمشید۔ تم نے ملک کے لیے کیا نہیں کیا۔ دن رات ایک کر دیے اس کی خدمت میں۔ لیکن ملک نے تمھیں کیا دیا تمھارے احسانات کے بدلے میں ہم نے کیا کیا۔ تمھارا ذرا بھی تو احساس نہیں کیا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔" یہ کہہ کر وہ پل بھر کے لیے رُکے:

"لیکن سر۔ میں یہ سب کچھ کسی انعام کے لالچ میں نہیں کرتا، یہ میرا فرض ہے۔ اور پھر یہ ملک میرا ملک ہے۔ میرے بچوں کا ملک ہے۔ اسے جرائم سے پاک کرنا تو ہر مسلمان کا فرض ہے۔"

"تمھارے خیالات واقعی قابلِ قدر ہیں، لیکن تمھیں ان تمام خدمات کا کچھ تو صلہ ملنا ہی چاہیے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ دوست ملک میں تمھیں سفیر بنا کر بھیج دیں۔ وہاں تمھیں آرام بھی بہت ملے گا اور سراغ رسانی کے جھنجھٹوں سے بھی نجات مل جائے گی اور تنخواہ بھی کئی گنا ہو جائے گی۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں سر!" انسپکٹر جمشید بھونچکا رہ گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ساکت ہو گئے۔

"کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی جمشید؟"

"نہیں سر۔ آپ اور غلط بات کہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن سر۔ میں اسی سیٹ پر خوش ہوں۔ میرے لائق یہی کام ہے۔ اور میں اس کام کے علاوہ کسی کام میں دلچسپی نہیں لے

سکتا۔ میں پیدا ہی سراغ رسانی کے لیے ہوا ہوں۔"

"جمشید! کیا تم میرا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو؟" انھوں نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

"نہیں سر۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر گھر جا کر تیاری کرو۔ صبح تمھیں بیوی بچوں سمیت ملک چھوڑ جانا ہے۔"

"آخر یہ کیوں سر۔ اس قدر جلد یہ فیصلہ کس لیے کیا گیا ہے۔"

"یہ میرا حکم ہے جمشید۔ تم کیوں۔ اور کس لیے کی بات چھوڑ دو۔"

"اور اگر میں انکار کر دوں سر۔"

"تم انکار کر دو گے جمشید۔"

"یس سر۔ اس لیے کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میرے وطن کو ابھی میری بہت ضرورت ہے۔"

"موت آ گئی تو۔"

"موت کے آگے سب مجبور ہیں۔"

"نہیں جمشید۔ تمھیں جانا ہوگا۔"

"کیا آپ وجہ نہیں بتائیں گے سر۔"

"میں تمھیں تمھارا حق دینا چاہتا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے سر۔ آپ مجھ سے میرا حق چھین لینا چاہتے ہیں۔" انھوں نے دبی آواز میں کہا۔

"جمشید۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔"

"یس سر۔ مجھے معاف فرمائیں۔"

"میرا حکم نہ ماننے کی صورت میں بھی تم اس ملک میں نہیں رہ سکو گے جمشید۔ اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔"

"کیا یہ سب کچھ رائے گاہا کی فرمائش پر ہو رہا ہے سر؟"

"رائے گاہا۔ تم ان کی بات نہ کرو۔" وہ بولے۔

"جی بہتر۔ میں بات نہیں کروں گا۔"

"جاؤ تیاری کرو۔ پاگل نہ بنو۔ ایک شاندار مستقبل تمھارا انتظار کر رہا ہے۔"

"بہت بہتر سر۔" انھوں نے کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"شاباش جمشید۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔ صبح ٹھیک دس بجے کی پرواز پر تمھاری سیٹیں محفوظ کرا دی گئی ہیں۔"

"شکریہ سر۔ اللہ حافظ۔" انھوں نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گئے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے بوجھل قدموں سے ان کا ساتھ دیا۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر انسپکٹر جمشید تیزی سے صدر صاحب کی طرف مڑے۔ ادھر صدر صاحب نے اپنا چہرہ

دوسری طرف کر لیا۔

"میں نے آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لیے ہیں سر" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"جج - جاؤ جمشید - جاؤ"

"نہیں سر - اب میں نہیں جاؤں گا - میں جان گیا ہوں آپ نے دل پر جبر کر کے یہ حکم مجھے سنایا ہے - اب میں وجہ ضرور معلوم کروں گا"

"جمشید - م - میں - میں مجبور ہوں - بے بس ہوں - تم سوچ بھی نہیں سکتے - اس ملک کا کوئی فرد بھی نہیں سوچ سکتا کہ ملک کا صدر اس قدر مجبور بھی ہو سکتا ہے - کہ جس شخص کو دل و جان سے چاہے - اسے ملک سے باہر چلے جانے کا حکم دے دے"

وہ پھر ان کی طرف چلے آئے اور بیٹھ گئے - صدر صاحب نے جب چہرہ ان کی طرف کیا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں -

"تم نے میرا حکم نہیں مانا جمشید"

"نہیں سر - آپ یہ حکم نہ چاہتے ہوئے دے رہے ہیں - اس لیے نہیں مانوں گا - اللہ کے لیے مجھے بتائیں - یہ سب کیا ہے؟"

"جمشید - شاید تم یقین نہیں کرو گے - انشارجہ کے صدر نے خود فون پر مجھ سے کہا ہے کہ انسپکٹر جمشید کو ملک سے باہر کی

سیٹ پر مقرر کر دوں"

"کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں - منہ کھلے کے کھلے رہ گئے - ان کے دماغ سائیں سائیں کرنے لگے -

*

"اُف اللہ - یہ تو آپ نے بہت ہی خوف ناک بات سنا دی"

"ہاں جمشید - جب میں نے انشارجہ کے صدر سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ ہنس پڑے - اور کہنے لگے - ہماری پالیسیاں اسی قسم کی ہوتی ہیں"

"یہ تو کوئی جواب نہ ہوا - انھیں وجہ تو بتانی چاہیے تھی - آخر میں انشارجہ کی آنکھوں میں کیوں کھٹک رہا ہوں"

"اس کی صرف اور صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے" فرزانہ بولی -

"کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" صدر صاحب بولے -

"انشارجہ اس وقت بیگال کے زیر اثر ہے - بیگال کی حکومت جو چاہتی ہے، انشارجہ کی حکومت سے منوا لیتی ہے - ضرور بیگال کے صدر نے انشارجہ کے صدر سے یہ فرمائش کی ہوگی -

ظاہر ہے۔ بیگال بلاواسطہ تو آپ سے یہ بات نہیں کر سکتا، اس سے بڑا دشمن تو ہمارا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ ادھر انشاربہ سے ہم امداد لیتے رہتے ہیں۔ مال بھی، جنس کی صورت میں بھی اور اسلحے کی صورت میں بھی، گویا انشاربہ ہم پر دباؤ ڈال سکتا ہے۔ اور اس نے آپ پر دباؤ ڈالا ہے۔"

"ہاں۔ میں نے یہ بات فوراً ہی بھانپ لی تھی۔" صدر صاحب بولے۔

"تب پھر۔ آپ کیوں انشاربہ کے پردے میں بیگال کی بات مانتے ہیں؟"

"تم ہی بتاؤ۔ ان کی بات نہ مان کر میں انھیں اپنے خلاف کس طرح کر لوں۔ وہ میری حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش شروع کر دیں گے۔ اور چند ماہ بھی نہیں گزریں گے کہ تختہ اُلٹ دیا جائے گا۔"

"تو کیا ہوا سر۔ کیا آپ ہمیشہ صدر رہیں گے؟"

"نہیں۔ ایسی بات تو نہیں۔"

"تب پھر۔ اگر آپ یہ عہدہ چھوڑ دیں گے تو کوئی اور آدمی صدر بن جائے گا۔ اس طرح بیگال کی خواہش تو پوری نہیں ہو سکے گی۔"

"نہیں جمشید۔ یہ بھی غلط ہے۔ اس طرح بھی بیگال کی مرضی

پوری ہو گی۔ نیا صدر ان کی مرضی کا صدر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو وہ اس کا بھی تختہ اُلٹ دیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی مرضی کا آدمی اُوپر لے آئیں گے۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیوں کی طرح کھیل رہے ہیں۔"

"ہاں جمشید۔ یہی بات ہے۔"

"اور اس کی صرف اور صرف ایک وجہ ہے۔ جو میں پہلے بھی بعض موقعوں پر کہہ چکا ہوں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم انشاربہ اور وشال سے ڈرنے لگ گئے ہیں، حالاں کہ حدیث شریف کے الفاظ کچھ یوں ہیں کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے، اس سے سب ڈرنے لگتے ہیں اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا، وہ اور سب سے ڈرنے لگتا ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ کی روشنی میں ضرورت تو صرف اس کی ہے کہ ہم صرف اور صرف ایک اللہ سے ڈریں، لیکن ایسا نہیں ہے۔"

"ہاں جمشید۔ ایسا نہیں ہے۔"

"لیکن ایسا ہونا چاہیے سر۔ کم از کم میں اپنے بارے میں کہہ سکتا ہوں۔ میں صرف اور صرف اللہ سے ڈرتا ہوں۔ میں کسی انشاربہ اور بیگال سے نہیں ڈرتا۔"

"اب میں تمھیں کیا بتاؤں جمشید۔"

"ٹھیک ہے سر۔ اگر آپ اب بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں جا کر سفر کی تیاری کروں تو۔ میں چلتا ہوں۔"

انھوں نے کہا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ صدر صاحب بُت بنے بیٹھے رہے۔ اور وہ باہر نکل آئے۔

"یہ کیا ہوا۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"اب دُوسرے مُلک جا کر رہنا ہو گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہم سے تو یہ نہیں ہو گا۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم اپنے ملک میں رہ کر اپنی جانیں تو دے سکتے ہیں۔ یہاں سے جائیں گے نہیں۔"

"آپ نے اب تک کاغذ کا وہ پرزہ پڑھ کر نہیں دیکھا۔ کیا آپ کو اسے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔"

"نہیں۔ میں اندازہ لگا سکتا ہوں۔ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔"

"تو پھر ہمیں دکھا دیں۔ کیوں کہ ہم ابھی تک اندازہ نہیں لگا سکے۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"گھر چل کر دیکھ لینا۔ یہاں اس پرزے کو نکالنا مناسب نہیں، کیوں کہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔"

"ارے! وہ چونکے۔

"ہاں! دو کاریں ہمارے آگے ہیں اور دو کاریں پیچھے۔ گویا یہ

ہمیں اِدھر اُدھر فرار نہیں ہونے دیں گی۔ ہمیں یہاں سے گھر جانا ہو گا اور گھر سے صبح دس بجے ایر پورٹ۔ گویا یہ سرکاری گاڑیاں ہیں۔"

"جب کہ آپ کا پروگرام ہے کہ ملک سے باہر نہیں جائیں گے۔"

"ہاں! پروگرام یہی ہے۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

آخر وہ گھر پہنچ گئے۔ بیگم جمشید بے تابانہ ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

"کیا بات تھی۔ صدر صاحب نے کیوں بلایا تھا؟"

"وہ چاہتے ہیں، ہم اپنے مُلک سے نکل کر ایک دوسرے مُلک میں جا بسیں۔ ابّا جان کو سفیر بنایا جا رہا ہے۔"

"سفیر بنایا جا رہا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی۔" انھوں نے بوکھلا کر کہا۔

"کچھ بڑی طاقتیں نہیں چاہتیں کہ ہم اپنے مُلک میں رہیں۔"

"لیکن ان کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ ہمارا ملک ہے۔"

"ہاں بیگم۔ تم فکر نہ کرو۔ ہم اپنے مُلک میں ہی رہیں گے، اگرچہ چار گاڑیاں ہمارے گھر کے باہر موجود ہیں۔ تاکہ ہم ایر پورٹ کے علاوہ اِدھر اُدھر نہ نکل جائیں۔"

"اوہ۔ اب کیا ہو گا؟"

"فکر نہ کرو۔" انھوں نے کہا اور فون پر بیگم شیرازی کے نمبر

گھمائے۔ ایک منٹ بعد ان کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی،

"ہیلو۔ کون صاحب؟"

"بھئی۔ یہ میں ہوں جمشید۔ آپ پہلے نیند کو جھٹک دیں۔ تاکہ میری بات کو سمجھ سکیں۔"

"جی بہتر۔ ٹھہریں۔ میں منہ پر پانی کے چھینٹے مار لوں۔" ان کی آواز سنائی دی، پھر ایک منٹ بعد وہ بولیں،

"ہاں! اب کہیے کیا بات ہے؟"

"ہمارے گھر کے باہر چار کاریں موجود ہیں۔ یہ چاروں نگرانی کر رہی ہیں۔ صبح دس بجے تک یہ نگرانی کرتی رہیں گی، پھر یہ لوگ گھر میں داخل ہوں گے۔ اور ہمیں تلاش کرتے پھریں گے، لیکن ہم انھیں ملیں گے نہیں۔ جب یہ تھک کر چلے جائیں تو آپ ہمیں فون کر دیں کہ یہ لوگ جا چکے ہیں۔"

"بہت بہتر، لیکن یہ کیسے ہوگا کہ آپ لوگ گھر میں ہی موجود ہوں گے اور پھر بھی یہ لوگ آپ کو تلاش نہیں کر سکیں گے؟"

"ایسا ہی ہوگا۔ فکر نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں نے ساری بات سمجھ لی ہے۔"

"شکریہ!" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"اب سامان سمیٹنا شروع کر دو۔ دیکھنے والوں کو صاف

معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اپنا سامان سمیٹ کر فرار ہو چکے ہیں۔" انھوں نے ہدایت دی۔

"وہ کاغذ تو رہ ہی گیا۔"

"پہلے سامان سمیٹنے کا کام کر لو، پھر کاغذ بھی دکھا دوں گا۔"

انھوں نے سامان سمیٹا۔ پائیں باغ میں کھلنے والی کھڑکی کو اندر سے کھول دیا۔ اب وہ سب کباڑ خانے میں آ گئے۔ ایک بٹن دبانے سے اس کے فرش میں ایک خلا پیدا ہوا۔ وہ اس خلا میں اُتر گئے۔ اور نیچے اُتر کر پھر ایک بٹن دبا دیا۔ کباڑ خانے میں بٹن ایسی جگہ اور اس قسم کا تھا کہ کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکتی تھی۔ تہ خانے میں آرام دہ بستر موجود تھے۔ کرسیاں بھی موجود تھیں۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی بند ڈبوں میں محفوظ تھیں۔ یہ جگہ ایسے ہی کسی موقعے کے لیے بنائی گئی تھی۔

"دس بجے تک انتظار کرنا ہوگا۔ اس دوران آرام کرو۔ کھاؤ پیو۔ چکھو۔ کھیلو کودو۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اعلان کیا۔

"ابا جان۔ نہ تو ہمیں انتظار کرنے سے انکار ہے، نہ کھانے پینے، چکھنے اور کھیلنے کودنے سے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں۔ پہلے آپ ہمیں وہ کاغذ دکھا دیں۔"

"او ہاں! ارے تو میں بھول ہی گیا۔" انھوں نے چونک کر کہا اور اندرونی جیب سے دونوں کاغذ نکال کر ان کے سامنے رکھ

دیے۔ وہ ان پر جوش کی حالت میں جو جھکے تو سر زور سے ٹکرائے:

"ایسا کرنے کے لیے کس نے کہا تھا؟" بیگم جمشید نے جھلا کر کہا۔

"شاید شیطان نے۔" فاروق مسکرایا۔

اور پھر ان کی نظریں اس تحریر پر جم گئیں۔ لکھا تھا:

"رائے گابا۔ اب تم فکر نہ کرو۔ انسپکٹر جمشید کو ملک سے باہر بھیجا جا رہا ہے۔ تمام انتظامات کر دیے گئے ہیں۔ اور اس فیصلے کو کسی طرح روکا نہیں جا سکے گا۔"

یہ الفاظ پڑھ کر وہ ساکت رہ گئے۔ گویا اس معاملے میں پوری طرح رائے گابا کا ہاتھ تھا۔ اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

واپسی

ٹھیک ساڑھے دس بجے فون کی گھنٹی بجی:

"ہیلو بھائی جان۔ بیگم شیرازی بول رہی ہوں۔ وہ لوگ ٹھیک دس بجے اندر داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے شاید گھر کی بہت اچھی طرح تلاشی لی ہے، پھر وہ میرے گھر میں بھی آئے تھے اور اندر کی اچھی طرح تلاشی لی۔ آس پاس کے مکانات کی بھی تلاشی لی گئی۔ آخر تنگ آ کر وہ یہاں سے رخصت ہو گئے ہیں۔"

"شکریہ بہن۔ ہم یہاں سے رات کی تاریکی میں نکلیں گے، اس دوران اگر کوئی اور بات ہو تو اطلاع کر دیجیے گا۔"

"اچھا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ آپ لوگ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اوہ! میں سمجھ گئی۔ آپ مجھے بتانا نہیں چاہتے۔"

"یہی سمجھ لیں" وہ مسکرائے۔
"ٹھیک ہے۔ یہی مناسب رہے گا۔" انھوں نے کہا اور
ریسیور رکھ دیا۔
اب انسپکٹر جمشید نے صدر صاحب کے نمبر ملائے۔ کافی دیر
کی کوشش کے بعد ان سے رابطہ قائم ہو سکا۔ ان کی آواز سنتے
ہی صدر صاحب بولے:
"اوہ جمشید۔ تم کہاں ہو۔ پورے شہر کی پولیس تمھاری
تلاش میں ہے۔"
"لیکن سر۔ پورے شہر کی پولیس کو میری تلاش میں لگانے
کی کیا ضرورت تھی؟"
"کیا کروں۔ انشارجہ کو یہ یقین بھی تو دلانا ہے کہ تمھاری
گم شدگی میں میرا ہاتھ نہیں ہے۔"
"ہوں۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ ویسے سر۔ آپ بہت خوش
معلوم ہوتے ہیں۔"
"خوش نہ ہوں تو کیا کروں۔ میں یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح
تم غائب ہو جاؤ، لیکن میں یہ مشورہ تمھیں نہیں دے سکتا تھا،
میرے آس پاس انشارجہ کا کوئی جاسوس ضرور موجود ہے۔"
"آپ نے اچھا ہی کیا۔ ایسی کوئی بات مجھ سے نہیں
کسی نے

"اب تم کیا کرو گے جمشید۔ حکومت کی طرف سے تو پولیس کو
یہی احکامات ہیں کہ تم جہاں بھی ملو۔ پکڑ کر ایر پورٹ پہنچا دیے
جاؤ۔ وہاں سے تمھیں اسپیشل طیارے کے ذریعے ملک سے باہر
بھیج دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد تم ملک میں داخل نہیں
ہو سکو گے۔"
"گویا مجھے ملک بدر کرنے کا پروگرام ہے۔"
"ہاں! بہت بڑی مجبوری ہے۔"
"تو پھر میرے بارے میں فکر مند نہ ہوں۔ میں پولیس
کے ہاتھ لگنے والا نہیں۔ اب میں آپ سے صرف اور صرف ایک
اجازت چاہتا ہوں۔"
"اور وہ کیا؟"
"رائے گاہا کو ختم کرنے کی اجازت۔ وہ ہمارے ملک کے
لیے ایک ناسور ہے۔ وہ بیگال کے اشارے پر ہماری فوج
کو اللہ کا منکر بنا رہا ہے۔ جب فوج کے دل سے اللہ کا خوف
نکل جائے گا۔ تو وہ بے کار ہو کر رہ جائے گی۔ اس میں وہ
تڑپ ختم ہو جائے گی۔ جو ہمیں اپنے سے کئی گنا بڑے ملک
سے ٹکرانے کی ہمت عطا کرتی ہے۔"
"ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو جمشید۔ میری طرف سے اجازت
ہے۔ رائے گاہا کو ختم کر دو، لیکن اپنا خیال رکھنا۔ کسی کی

نظر میں آنے سے بچنا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"بھولے گابا کو ختم کرنے سے پہلے اس سے یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ اس نے سات آدمیوں کو موت کے گھاٹ کیوں اتارا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تمھاری اس سے ملاقات کرا دوں گا۔ جی بھر کر اس سے باتیں پوچھ لینا۔" وہ مسکرائے۔

"شکریہ ابا جان۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

رات کے گیارہ بجے وہ تہ خانے سے نکل کر پائیں باغ میں آئے۔ اور پھر باغ سے نکل کر کار میں بیٹھ گئے۔ بیگم شیرازی انھیں اطلاع دے چکی تھیں کہ پولیس دن میں کئی بار مکان کی تلاشی لے چکی ہے۔ اور رات کے وقت بھی انھوں نے فون پر اطلاع دی تھی کہ اب باہر کوئی خطرہ نہیں ہے۔

انسپکٹر جمشید نے کار کے اندر لگا ایک بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی اگلی اور پچھلی نمبر پلیٹیں تبدیل ہو گئیں۔ پھر ان کی کار تیر کی طرح وہاں سے نکلی اور ایک نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ آگے اور پیچھے کا انھوں نے خاص خیال رکھا۔ نہ تو آگے کوئی گاڑی نظر آئی نہ پیچھے۔ گویا ان کا تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔ آخر وہ شہر سے بیس کلو میٹر دور ایک مکان تک پہنچ گئے۔ کار انھوں نے مکان کے پیچھے بنے گیراج میں کھڑی کر

دی اور خود اندر داخل ہو کر دروازے بند کر لیے۔ یہ مکان خاص طور پر بنوایا گیا تھا۔ اندر کی کوئی آواز باہر نہیں سنی جا سکتی تھی۔ جب کہ باہر کی آوازیں اندر سنی جا سکتی تھیں۔ دروازے باہر سے کھولے نہیں جا سکتے تھے۔ جب تک کہ انھیں اندر سے کھولا نہ جاتا۔ ان سب کے علاوہ اس میں بھی ایک تہ خانہ تھا۔ جس کا پتا لگانا آسان نہیں تھا۔ ضرورت کی ہر چیز بھی یہاں موجود تھی۔

"پہلے ہم سب میک اپ کریں گے۔ تاکہ آزادانہ شہر میں آ جا سکیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

میک اپ کا کام شروع ہوا۔ دو گھنٹے کی محنت کے بعد ان کی شکلیں اس قدر بدل چکی تھیں کہ کوئی نزدیک سے بھی انھیں نہیں پہچان سکتا تھا۔

اب انھوں نے پہلے خان رحمان کو فون کیا۔ ان کی آواز سنتے ہی خان رحمان بولے۔

"اوہ۔ اللہ کے بندے۔ چھپ چھپاتے کہاں غائب ہو گئے۔ پولیس مجھے اور پروفیسر داؤد کو بار بار پریشان کر رہی ہے۔"

"پروا نہ کرو۔ انھیں تلاشی دیتے رہو۔" وہ بولے۔

"لیکن تم کہاں ہو؟"

"ایک محفوظ مقام پر۔" وہ بولے۔

"گویا تم بتانا نہیں چاہتے۔ اور یہ اچھا ہی ہے۔"

"شہر کی خبریں معلوم کرتے رہو۔ میں فون پر تم سے معلوم کرتا رہوں گا۔"

"بہت اچھا۔ ذرا پروفیسر صاحب کو بھی تسلی دے دو۔ وہ بے چارے بہت پریشان ہیں۔"

"ہاں ضرور۔ میں اب انھیں ہی فون کروں گا۔"

یہ کہہ کر انھوں نے پروفیسر داؤد کے نمبر گھمائے۔ جوں ہی سلسلہ ملا، انھیں پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی:

"ہیلو۔ کون صاحب؟"

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"غلط نمبر ہے بھئی۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور فوراً ریسیور رکھ دیا گیا۔

"اوہ۔ شاید ان کے پاس پولیس موجود ہے۔"

"کیوں۔ کیا ہوا؟" بیگم جمشید بولیں۔

"جوں ہی انھوں نے میری آواز سنی۔ غلط نمبر کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔"

"ہوں، پھر تو ضرور یہی بات ہے۔"

"خیر۔ ہم ٹھہر کر فون کر لیں گے۔"

"اب آپ کا پروگرام کیا ہے؟"

"رہ گیا ہے وہ دو باتیں اور پھر اس کا خاتمہ۔"

"لیکن خاتمے کے بعد کیا ہوگا۔ ہم کب تک یہاں رہیں گے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"دیکھا جائے گا۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

آدھ گھنٹے بعد انھوں نے پھر پروفیسر داؤد کو فون کیا۔ وہ ان کی آواز سن کر بولے:

"بھئی معاف کرنا۔ اس وقت پولیس یہاں موجود تھی۔"

"وہ تو میں سمجھ گیا تھا۔"

"یہ سب کیا ہے جمشید؟"

انھوں نے مختصر طور پر حالات سنا دیے۔

"اوہ۔ میں صدر صاحب سے بات کرتا ہوں۔ جمشید۔ تم فکر نہ کرو۔"

"وہ تو خود مجبور ہیں۔"

"ہوں۔ تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن خیر۔ تم فکر نہ کرو۔ میرے پاس ایک ہتھیار اور ہے۔" انھوں نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"ابھی کچھ نہ پوچھو جمشید۔ بس دیکھتے جاؤ۔ بنگال بھی کیا یاد کرے گا۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"خدا جانے پروفیسر صاحب کیا کرنا چاہتے ہیں" وہ بڑبڑائے اور پھر پروفیسر صاحب کی گفتگو انھیں سُنا دی۔

رات کے ٹھیک گیارہ بجے انھوں نے بیگم جمشید کو تو وہیں چھوڑا اور خود کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف چل پڑے۔ ان کا رُخ رائے گابا کی طرف تھا۔ اس کی کوٹھی کے پچھلی طرف کار کھڑی کر دی گئی۔ کارڈوق چھت پر پہنچا۔ اور پھر چاروں کوٹھی کے صحن میں موجود تھے۔ انسپکٹر جمشید نے ایک ایک کمرے میں جھانک کر آخر رائے گابا کے کمرے کا پتا چلا لیا۔ وہ اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ انھوں نے اُنگلی سے دستک دینا شروع کی۔ آخر گابا کی آواز سُنائی دی۔

"کون۔ کون؟"

"یہ میں ہوں جناب۔ غفور۔ جلدی دروازہ کھولیے۔ بہت خوف ناک بات ہو گئی"

"ٹھہرو۔" اندر سے کہا گیا اور پھر دروازہ کُھلا۔ فوراً ہی انسپکٹر جمشید کے دائیں ہاتھ کی ہڈی اس کی کن پٹی پر لگی۔ وہ بے ہوش ہو کر گرنے لگا۔ لیکن انھوں نے اسے سنبھال لیا اور کندھے پر ڈال لیا۔ اب وہ صدر دروازے کو کھول کر باہر نکل آئے، اور کار میں آ بیٹھے۔

دوسرے ہی لمحے کار آندھی اور طوفان کی رفتار سے اس

خفیہ مکان کی طرف اُڑی جا رہی تھی۔ مکان کے اندر پہنچ کر انھوں نے رائے گابا کو فرش پر لٹا دیا اور فون پر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔ فارغ ہو کر وہ بیگم جمشید سے بولے،

"بیگم! تم مہمان کے لیے چائے تیار کرو۔ میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتا ہوں۔ بلکہ ایک اور مہمان آنے والے ہیں، ان کے لیے بھی چائے تیار کر لو"

"جی بہتر" وہ بولیں۔

"آپ نے سوچا کیا ہے ابا جان۔ صبح جب رائے گابا کو گھر سے غائب پایا جائے گا تو ہل چل مچ جائے گی۔ فوج میں بھی ابتری پھیل جائے گی۔ شک صرف آپ پر کیا جائے گا، آخر اس کا آپ کیا علاج کریں گے" فرزانہ نے پریشان آواز میں کہا۔ اور انسپکٹر جمشید نے اس قدر میک اپ اُتارا کہ انھیں پہچانا جا سکے۔

"بس دیکھتے جاؤ" وہ بولے اور قیدی کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگے۔ آخر رائے گابا نے آنکھیں کھول دیں۔ جوں ہی اس نے انھیں دیکھا، اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ۔ یہ کیا۔ میں کہاں ہوں۔ تم مجھے کہاں اُٹھا لائے ہو"

"ایک بہت ہی محفوظ اور پُر سکون جگہ۔ اس قدر پُر سکون کہ ایسی بہت کم جگہیں آپ نے دیکھی ہوں گی"

"انسپکٹر جمشید۔ آپ جانتے ہیں۔ میں کون ہوں، کیا ہوں۔"

"اگر میں جانتا ہوتا تو آپ کو یہاں لانے کی ضرورت ہرگز محسوس نہ کرتا۔"

"اب آپ کی خیریت اسی میں ہے کہ مجھے ذرا میرے گھر پہنچا دیں۔"

"ذرا انتظار کریں۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ آپ کی خدمت میں چائے وائے تو پیش کر لوں۔"

"مجھے چائے کی ضرورت نہیں۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"اس کے باوجود آپ کو ٹھہرنا ہوگا۔ چائے پینا ہوگی۔ میرے سوالات کے جواب دینا ہوں گے۔ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ ان سات آدمیوں کو کیوں ہلاک کیا گیا ہے؟"

"میں ان سے خفیہ طور پر کچھ کام لیتا رہا ہوں۔ میرا مطلب ہے۔ انہیں یہ بتائے بغیر کہ کام کی نوعیت کیا ہے، یا وہ میرے لیے کیا کام کر رہے ہیں۔ پہلے میں نے ان پر احسانات کیے، ان کی مالی مدد کی، پھر اپنے کام لینے شروع کر دیے۔ احسانات کی وجہ سے وہ انکار نہیں کر سکے۔ دوسرے یہ کہ انہیں کچھ معلوم ہی نہیں تھا کہ میں ان سے کیا کام لے رہا ہوں، لیکن پھر ان میں سے ایک کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا۔ اس نے باقیوں

کو ساری بات بتا دی۔ ان ساتوں نے پروگرام بنایا کہ میرے خلاف قدم اٹھایا جائے، لیکن ابھی وہ تجاویز ہی بنا رہے تھے کہ میں نے ایک ایک کر کے انہیں ٹھکانے لگانا شروع کر دیا۔ وہ سہم گئے۔ میرا راز کسی کو بتانے کا خیال تک انھوں نے دلوں سے نکال دیا، لیکن میں بھلا ان کو کب چھوڑنے والا تھا۔ ایک ایک کر کے میں نے سب کو ختم کر دیا۔"
یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"لیکن آپ ان سے کام کیا لیتے تھے۔ یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں۔"

"فوجیوں تک پیغام رسانی۔ میں ان لوگوں کے ذریعے فوجیوں کو خطوط لکھتا تھا، وہ میرے خطوط لے کر ان کے پاس جایا کرتے تھے اور ان کے جوابات مجھ تک پہنچایا کرتے تھے۔"

"لیکن انہیں آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں کس طرح معلوم ہوا؟"

"میری اپنی بے وقوفی سے۔ ایک دن میں ایک ہی وقت میں ان ساتوں کو خطوط دے بیٹھا۔ وہ اکٹھے ہی ملٹری ہیڈکوارٹر پہنچے۔ اور اپنے اپنے آفیسر سے [illegible] انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، اسی طرح انھوں نے ایک دوسرے سے بات چیت شروع کی۔ اور اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ میرے

خطوط کو کھول کر پڑھنا چاہیے — چنانچہ اس سے اگلی مرتبہ
انھوں نے خطوط پڑھ کر دیکھ لیے — اور وہ جان گئے کہ میں
فوج میں کس قسم کے خیالات پھیلا رہا ہوں اور یہ کہ رفتہ رفتہ
فوج کے جوان مجھے اپنا رہنما خیال کرتے جا رہے ہیں — اور
ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ پوری فوج میرے ساتھ ہو
گی — یہ حالات جان کر وہ گھبرا گئے — انھوں نے آپس میں
مشورے شروع کر دیے — ادھر میرا ایک آدمی ان کی نگرانی
کے فرائض انجام دیتا رہا تھا — اس نے مجھے ان کی ملاقات کی
خبر سنائی تو میرے کان کھڑے ہوئے — میں نے ان کا جائزہ
لیا اور آخر انھیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا — یہ کام میں نے
اپنے ہاتھ سے کیا — ہر روز رات کو ایک کو ختم کرنا شروع کیا ،
یہ ہے پوری تفصیل۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

"یہ بات تو سمجھ میں آ گئی — اب سوال یہ ہے کہ یہ کام
کیا تم وناس کے اشارے پر کر رہے ہو؟"

"بیگال کے اشارے پر۔"

"اوہ — اسی لیے بیگال کا صدر تمھارا بہت خیر خواہ ہے۔"
انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"اب آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ مجھے بحفاظت تمام میرے
گھر پہنچا دیں — ورنہ آپ کا سارا ملک آگ اور دھوئیں میں گھر

جائے گا۔"

"اب آپ اپنے گھر کبھی نہیں جا سکیں گے۔"

دروازے کی گھنٹی بجی — انسپکٹر جمشید اٹھتے ہوئے بولے:

"تم تینوں ان کا دھیان رکھنا — یہ حرکت نہ کرنے پائیں۔"

"جی بہتر — آپ فکر نہ کریں — اگر یہ حرکت کریں گے تو
اپنی ہر حرکت پر انھیں پچھتانا پڑے گا۔" فاروق مسکرایا اور انسپکٹر
جمشید کمرے سے نکل گئے — اسی وقت بیگم جمشید کی آواز سنائی
دی:

"محمود! مہمان کے لیے چائے تیار ہے۔"

"ابھی ٹھہریں امی جان — ایک مہمان اور آ گئے ہیں۔" اس
نے کہا۔

جلد ہی انسپکٹر جمشید ایک شخص کے ساتھ اندر داخل ہوئے:

"یہ ماجد کرمانی ہیں — میرے بہت اچھے دوست — کئی علوم
اور فنون میں ماہر — بہت پڑھے لکھے بھی ہیں۔" انھوں نے
تعارف کرایا۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"شکریہ — میری کتنی آرزو تھی کہ کبھی آپ لوگوں سے ملا-
قات کروں۔" وہ بولے۔

"تب تو آج اللہ تعالیٰ نے آپ کی آرزو پوری کر دی۔"

فاروق مسکرایا۔

"ہاں! محسوس تو یہی ہوتا ہے۔"

"محمود دیکھو۔ چائے تیار ہے یا نہیں؟"

"جی ہاں۔ تیار ہو چکی ہے۔ میں ابھی لایا۔"

دونوں مہمانوں کو چائے پیش کی گئی۔ انھوں نے چائے پی۔ اس کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"مسٹر رائے گابا۔ اب میں آپ کی مرضی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"مرضی۔ کیا مطلب؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ اور آپ کے بیوی بچے جیل میں رہنا پسند کریں گے یا اسی مکان میں۔" انھوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں نے فیصلہ کیا ہے۔ چاہے کچھ ہو جائے۔ آپ اب ملک کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکیں گے۔ اور اس کا بس یہی طریقہ ہے کہ آپ اپنے گھر واپس نہ جا سکیں۔"

"آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"یہی سمجھ لیں۔" وہ بولے۔

"انشارجہ کے صدر تمھارے صدر کا تختہ الٹ دیں گے۔" رائے گابا نے کہا۔

"وہ کس لیے؟"

"جب بیگال کا صدر انھیں یہ اطلاع دے گا کہ مجھے غائب کر دیا گیا ہے۔"

"یہ نہیں ہو سکے گا، کیوں کہ پورے شہر کی پولیس اس وقت مجھے تلاش کر رہی ہے۔ اور پل پل کی خبریں بیگال اور انشارجہ پہنچ رہی ہیں۔ اطلاعات دینے والے ہرگز یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ یہ ساری کارروائی فرضی ہے، کیوں کہ فرضی ہے ہی نہیں۔ پولیس واقعی مجھے گرفتار کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہی ہے۔"

"میں نہیں سمجھتا۔ آپ کیا چال چلنے کا پروگرام بنائے ہوئے ہیں، لیکن کہے دیتا ہوں، اگر میں بخیریت اپنے گھر نہ پہنچا تو پھر اس ملک پر تباہی آ کر رہے گی۔"

"کرمانی صاحب۔ آپ نے ان کی باتیں سنیں۔ ان کا لب و لہجہ نوٹ کیا۔"

"ہاں، کیوں نہیں۔" ماجد کرمانی بولے۔

"اب میرے ساتھ آئیے۔ تم تینوں یہیں ٹھہرو گے۔ چوکس رہنا۔" انسپکٹر جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مکان سے باہر جا رہے ہیں؟"

"نہیں۔ دوسرے کمرے تک۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

پھر وہ ماجد کرمانی کو دوسرے کمرے میں لے گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بے چین ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ جیسے کہ رہے ہوں۔ آخر ابا جان کرنا کیا چاہتے ہیں۔ اور پھر تینوں کندھے اُچکا کر رہ گئے، کیوں کہ ان کے فرشتے بھی اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد انسپکٹر جمشید باہر نکلے۔ اور سیدھے فون کی طرف آئے۔ انھوں نے چند فون کیے۔ خفیہ الفاظ میں ہدایات دیں اور ان کی طرف مڑے۔

"ہمیں اب یہاں سے روانہ ہونا ہے۔" یہ کہ کر انھوں نے انھیں بھی چند ہدایات دیں۔ پندرہ منٹ بعد وہ شہر کی طرف جا رہے تھے۔ ماجد کرمانی کے بیوی بچوں کو ساتھ لیا۔ رائے گابا کی کوٹھی پہنچ کر انھوں نے صدر دروازے پر دستک دی، دو منٹ بعد غفور نے دروازہ کھولا۔ اور پھر ان پر نظر پڑتے ہی بولا،

"اُف۔ آپ لوگ ایک بار پھر آ گئے۔"

"ہاں غفور! ہم مجبور ہیں۔ کیا کریں۔"

"ٹھہریے۔ میں رائے صاحب کو اطلاع کرتا ہوں۔"

"غفور صاحب۔ شاید آپ نیند میں ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا

کر کہا۔

"جی۔ کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ آپ نے دیکھا ہی نہیں کہ دروازے پر کون کون کھڑا ہے۔"

اس نے چونک کر سب کی طرف دیکھا اور پھر اچھل پڑا۔ کیوں کہ ان کے سامنے رائے گابا بھی موجود تھا۔

حضرتِ یقین

جب وُہ اندر داخل ہوئے تو چند سادہ لباس والے بھی نہ جانے کس طرف سے نکل کر ان کے پیچھے اندر داخل ہو گئے، اور غفور کو ایک طرف لے جا کر بٹھا دیا گیا ۔ انسپکٹر جمشید نے رائے گابا کے بیوی بچوں کو خفیہ مکان کی طرف بھجوا دیا اور ماجد کرمانی کے بیوی بچوں کی شکل صورت گابا کے بیوی بچوں کی طرح بنا دی۔ میک اپ سے فارغ ہو کر انسپکٹر جمشید تیزی سے اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے، کیوں کہ دن نکلنے والا تھا۔ آخر دن نکل آیا۔ وُہ اس سے پہلے ہی تمام کاموں سے فارغ ہو چکے تھے۔

"مسٹر گابا۔ مہربانی فرما کر گورنر صاحب کو فون کر دیں۔ پولیس کے چند بڑے بڑے آفیسرز کو بھی بلا لیں۔"

"جی بہتر۔" رائے گابا نے کہا۔

"بلکہ میں تو کہتا ہوں۔ اگر صدر صاحب بھی تھوڑی دیر کے لیے آ جائیں تو بہت ہی اچھا ہے۔"

"اچھا! میں انھیں بھی فون کیے دیتا ہوں۔ اگر انھوں نے مناسب خیال کیا تو آ جائیں گے۔"

"شکریہ مسٹر رائے گابا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

آدھ گھنٹے بعد ان لوگوں کی آمد شروع ہوئی جنھیں فون کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے پولیس آفیسر آئے۔ اور اندر انسپکٹر جمشید کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

"اُف اللہ آپ یہاں موجود ہیں اور ہم رات بھر آپ کی تلاش میں پورے شہر کو چھانتے رہے۔" ایک پولیس آفیسر بولے۔

"مجھے افسوس ہے۔ آپ کو میری وجہ سے پریشان ہونا پڑا۔"

"اب آپ خود کو زیرِ حراست سمجھیے۔ اور مہربانی فرما کر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کیجیے گا۔"

"بہت بہتر۔ نہیں کروں گا۔"

"ایک منٹ جناب۔" رائے گابا نے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنا چاہا، لیکن اسی وقت قدموں کی آواز اُبھری اور گورنر صاحب آتے دکھائی دیے۔ وُہ سب احتراماً اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

گورنر صاحب نے بھی اندر کا منظر دیکھا اور بھونچکے رہ گئے۔

"او ہو۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ آخر انسپکٹر جمشید کو پکڑ ہی لیا گیا۔ یہ بہت اچھا ہوا۔ اب ہم سب لوگ پُر سکون ہو کر اپنے کام کر سکیں گے۔"

"گویا میری وجہ سے شہر بھر کا سکون تباہ ہو رہا ہے" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہاں! یہی بات ہے" وہ بولے۔

"آپ کچھ کہ رہے تھے سر" پولیس آفیسر نے بے چین ہو کر رائے کا ہاتھ سے کہا۔

"ہاں! میں یہ کہ رہا تھا کہ"

ان کے الفاظ پھر درمیان میں رہ گئے۔ ایک بار پھر قدموں کی آواز اُبھری اور صدر صاحب آتے دکھائی دیے۔ ایک بار پھر وہ سب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ انسپکٹر جمشید آپ کے پاس موجود ہیں"

"جی ہاں! یہ تو رات سے میرے پاس ہیں" وہ بولے۔

"کیا کہا رات سے۔ تو پھر آپ نے اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"ہم ضروری مسائل طے کرتے رہے۔ اسی میں تمام رات گزر گئی۔ اور آخر صبح سویرے آپ حضرات کو فون کیے گئے"

"ہوں۔ آپ حضرات نے کیا مسائل طے کیے؟"

"بات یہ ہے جناب عالی۔ میں نے انسپکٹر جمشید کے خیالات سُنے۔ انھوں نے میرے خیالات جاننے کی پوری کوشش کی اور آخر ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمیں تو دراصل ایک

دُوسرے سے قطعاً کوئی شکایت نہیں ہے۔ ہم تو بس بلا وجہ ہی ایک دُوسرے سے ٹکرا گئے تھے"

"کیا۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں" گورنر صاحب حیرت زدہ آواز میں بولے۔

"میں غلط نہیں کہ رہا۔ میں اعلان کرتا ہوں۔ میرا انسپکٹر جمشید سے کوئی اختلاف نہیں"

"اور میں بھی اعلان کرتا ہوں۔ مجھے ان سے کوئی دشمنی نہیں۔ یہ وطن کے دوست ہیں۔ دشمن نہیں۔ مجھے ان کے بارے میں غلط فہمی ضرور ہوئی تھی، لیکن اب ان پر کوئی ذرا بھی شک نہیں رہ گیا"

"کیا واقعی" صدر صاحب خوش ہو کر بولے۔

"ہم۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ نہ جانے کیوں" گورنر صاحب بڑبڑائے۔

"پریشان نہ ہوں سر۔ آپ کو بھی یقین آ جائے گا۔ بعض اوقات حضرت یقین ذرا دیر سے آتے ہیں" فاروق گنگنایا، اور وہ مسکرا دیے۔

"اگر یہ بات ہے تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے" صدر صاحب بولے۔

"بالکل۔ اس طرح تو تمام اُلجھنیں ہی دُور ہو جاتی ہیں"

"اور میں آپ حضرات سے درخواست کروں گا۔ انسپکٹر جمشید صاحب کو ان کے عہدے پر برقرار رکھا جائے۔ ان کی وطن پرستی میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔"

"بالکل۔ بالکل۔" کئی آوازیں اُبھریں۔

"اللہ کا شکر ہے۔ یہ معاملہ اس قدر احسن طریقے سے طے ہو گیا۔ میں تو بہت پریشان تھا۔" صدر صاحب بولے۔

"اب آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" رائے گابا مسکرائے۔

"اچھا تو پھر۔ میں چلتا ہوں۔" صدر صاحب اُٹھتے ہوئے بولے۔

"اور میں بھی چلوں گا۔" گورنر صاحب نے کہا۔

"جمشید۔ تم فارغ ہو کر ذرا مجھ سے مل لینا۔"

"جی بہتر۔" انھوں نے کہا۔

صدر اور گورنر صاحبان چلے گئے۔ ان کے بعد پولیس آفیسرز بھی چلے گئے۔

"اچھا گابا صاحب۔ اب ہمیں بھی اجازت دیں۔ ہمیں ایک ضروری کام اور کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کبھی کبھار آتے جاتے رہا کریں۔" رائے گابا نے کہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔ فکر نہ کریں۔ اب تو آنا جانا رہے گا

ہی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

وہ باہر نکل کر کار میں بیٹھے اور خفیہ مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

"کیوں بھئی۔ کیسی رہی۔"

"مزا آ گیا۔" محمود چہکا۔

"بلکہ اس قدر مزا تو ہمیں بہت کم آیا ہو گا۔" فاروق بولا۔

"اسے کہتے ہیں۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، کسی کو شک تک نہیں گزرا کہ کیا ہو گیا ہے۔"

"اور گزرنا بھی نہیں چاہیے۔ اگر شک گزر گیا تو پھر مزا ہی کیا رہ جائے گا، پھر تو ہم ناکام ہو جائیں گے۔"

خفیہ مکان کے سامنے وہ کار سے اُتر آئے۔ انسپکٹر جمشید نے اپنی چابی سے دروازہ کھولا۔ اور اندر داخل ہوئے۔

پھر وہ مکان کے تہ خانے میں اُترے۔ یہاں رائے گابا اور اس کی بیوی اور دو بچے موجود تھے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"آخر یہ کیا مذاق ہے۔ اور یہ مذاق کب تک جاری رہے گا۔ کیوں ہمارے ملک کو داؤ پر لگا رہے ہو۔" رائے گابا چلایا۔

"ملک کی تم فکر نہ کرو۔ میں نے ملک میں حالات پُر سکون رہنے کا انتظام کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب۔ کیا انتظام کر دیا ہے؟"
"نہیں میرے وہ مہمان تو یاد ہوں گے۔ ماجد کرمانی۔ جنھوں
نے تمھارے ساتھ چائے پی تھی۔"
"ہاں۔ یاد ہیں۔ تو پھر۔"
"وہ آوازوں کی نقل اُتارنے کے۔ چال ڈھال کی نقل کرنے
کے اور مختلف علوم و فنون کے ماہر ہیں۔ کئی زبانوں پر بھی عبور
رکھتے ہیں۔ میں نے انتہائی مہارت سے انھیں رائے گاپا بنا
دیا ہے۔"
"کیا۔ نہیں !!" رائے گاپا چلایا۔
"ہاں۔ اور ان کی بیوی اور دونوں بچوں کی شکل صورت میں
بھی تبدیلی کر دی ہے۔ اب ان کی بیوی کی شکل صورت آپ
کی بیوی سے اور بچوں کی صورتیں آپ کے بچوں سے ملتی ہیں۔
کوئی نزدیک سے بھی انھیں نہیں پہچان سکتا۔ رہ گئے عزیز، رشتے
دار۔ رائے گاپا ان سے بھی نبٹ لیا کریں گے۔"
"یہ۔۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔"
"جو لوگ ملک کے غدار ہوں۔ اور انھیں راستے سے ہٹانے
میں خطرہ ہو۔ ملک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ انھیں میں
اس طرح راستے سے ہٹایا کرتا ہوں کہ کسی کو کانوں کان خبر تک
نہیں ہو پاتی۔ اب تم اپنے معاملے کو ہی دیکھ لو۔ تم

یہاں قید ہو۔ ایکن صدر اور گورنر صاحبان تک تم سے آج صبح ملاقات
کر چکے ہیں اور میں بھی وہاں موجود تھا۔ رائے گاپا صاحب نے
سب کے سامنے اعلان کیا کہ انھیں اب مجھ سے کوئی شکایت
نہیں ہے۔ گویا اب میں اپنی ڈیوٹی انجام دوں گا اور رائے
گاپا اپنی۔"
"رائے گاپا۔ اپنی۔ کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑا۔
"ہاں! بیگال رائے گاپا سے جو کام لے رہا ہے۔ اب
رائے گاپا اس کے بالکل اُلٹ کام کریں گے۔ اور بیگال سے ملنے
والی ہدایات اور اطلاعات ہم تک پہنچائیں گے۔ اس طرح ایک پنتھ
دو کاج کے مزے آئیں گے۔ کیوں۔ کیسی رہی؟"
"نن۔ نہیں !!" رائے گاپا کا چہرہ تاریک ہو گیا۔
"میں غداروں سے اسی طرح نبٹا کرتا ہوں۔"
"لیکن یہ کب تک چلے گا۔ آخر شک پیدا ہو جائے گا۔"
رائے گاپا نے کہا۔
"وہم ہے تمھارا۔ تم ماجد کرمانی کو کیا جانو۔ وہ بے پناہ
صلاحیتوں کے آدمی ہیں۔ آہستہ آہستہ فوج کے خیالات اب پھر
اللہ کی طرف راغب کرنا ان کا کام ہو گا۔ اور اپنا یہ فرض
وہ بخوبی ادا کریں گے اور جب تمام فوج غلط خیالات سے
پاک ہو جائے گی تو پھر بیگال بے شک جان لے لو کیا تبدیلی

آ چکی ہے۔ اس سے پہلے تو وہ ہرگز نہیں جان سکے گا۔"

"اُف — یہ کیا ہو گیا۔"

"اب تم ہمیں قید رہو گے۔ میں تمہیں زندہ چھوڑنے کے حق میں نہیں ہوں۔ تاہم صدر مملکت سے مشورہ کر لینے کے بعد تمہاری زندگی یا موت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ آؤ بھئی چلیں۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تہ خانے کے دروازے کی طرف مُڑے ہی تھے کہ ایک آواز ان کے پیروں کی زنجیر بن گئی :

"لیکن — آپ ہمیں کن جرائم کی سزا دے رہے ہیں؟"

وہ چونک کر مُڑے — بیگم راجے گاہا سوالیہ چہرے سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی —

٭

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"جرم میرے شوہر نے کیا ہے — میں نے یا میرے بچوں نے نہیں، پھر آپ نے ہمیں کس لیے قید میں ڈالا ہے؟"

"اوہ!" ان کے مُنہ سے نکلا۔

"ہمارے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ یہ کام کرتے

رہے ہیں۔ اگر معلوم ہوتا تو شاید ان کے ساتھ رہنا بھی گوارا نہ کرتے۔"

"اس صورت میں آپ کیا کرتیں؟"

"ان کا گھر چھوڑ کر فوراً اپنے باپ کے گھر چلی جاتی — کیوں کہ اس مُلک کی تعمیر اور ترقی میں میرے والد نے دن رات کام کیا ہے — اگر یقین نہ آئے تو ان کے بارے میں آپ مُلک کے بنانے والے زندہ لوگوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر انسپکٹر جمشید بولے :

"ہو سکتا ہے — آپ کی یہ باتیں بالکل درست ہوں — تو پھر اگر میں آپ کو آپ کے والد کے گھر پہنچا دوں تو کیا آپ وہاں رہنا منظور کر لیں گی؟"

"کیوں نہیں — میں ایک غدار آدمی کے ساتھ نہیں رہ سکتی — مُلک کے غدار کو تو شوہر کہنا بھی نفرت کا مقام ہے۔" بیگم گاہا نے جذباتی آواز میں کہا۔

"اور آپ کے بچے؟"

"یہ بھی میرے ساتھ رہیں گے۔"

"لیکن — آپ کو معلوم ہونا چاہیے — آپ ایک بہت بڑے راز میں شریک ہو چکے ہیں۔"

"ہاں ! میں سمجھتی ہوں۔ لیکن میں اور میرے بچے زندگی کے آخری سانس تک اس راز کو کسی کے سامنے ظاہر نہیں کریں گے، یہ میرا وعدہ ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے ایک نظر ان تینوں کی طرف دیکھا، پھر رائے گابا پر نظر ڈالی، اس کا چہرہ بالکل تاریک نظر آ رہا تھا۔ نظریں فرش پر گڑ گئی تھیں۔

"تم نے سنا مسٹر رائے گابا۔ تمھاری بیوی نے کیا کہا ہے؟" انھوں نے کہا۔

"ہاں ! میں سن چکا ہوں۔" اس نے مردہ آواز میں جواب دیا۔

"ملک سے غداری کر کے تمھیں کیا ملا۔ دیکھ لو۔ غور کر لو۔ کچھ بھی تو تمھارے پاس نہیں رہ گیا۔ یہاں تک کہ تمھارے بیوی اور بچے بھی تمھارے ساتھ رہنے پر تیار نہیں ہیں۔ اس سے بڑی سزا تمھارے لیے اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور یہ تو سزا ہے اس دُنیا میں۔ آخرت کی سزا کس قدر بھیانک ہو گی، اس کا تو تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے، کیوں کہ تم نے کتنے ہی مسلمانوں کو گمراہ کیا ہے۔"

رائے گابا کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے بچوں کو دیکھتا رہا۔

آخر انسپکٹر جمشید اس کے بیوی اور بچوں کو لے کر دروازے کی طرف چل پڑے۔

"ن۔ نہیں۔ ٹھہریے انسپکٹر۔ مجھ پر اب اور ظلم نہ کریں۔"

"کیا مطلب۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں۔ میں اب زندہ نہیں رہ سکتا۔ مہربانی فرما کر مجھے گولی مارتے جاؤ۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں صدرِ مملکت کے حکم کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ ویسے تم فکر نہ کرو۔ میں بہت جلد آؤں گا۔ اور امید ہے۔ تمھاری موت کا حکم ساتھ لے کر آؤں گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ آگے بڑھ گئے۔ رائے گابا کے بیوی اور بچوں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور باہر نکل آئے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

انسپکٹر جمشید سیدھے بیگم گابا کے باپ کے گھر پہنچے۔ اس کے بوڑھے والدین گھر میں ہی تھے۔ اپنی بیٹی اور نواسوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"یہ کیا بیٹی۔ تم کن کے ساتھ آئی ہو۔ اور رائے گابا کہاں ہے؟"

"م۔ ممی۔ میں بیوہ ہو گئی ابا جان۔ میرے بچے یتیم

ہو گئے:

"یہ تم کیا کر رہی ہو بیٹی۔ ہم نے تو رائے گابا کے انتقال کی خبر نہیں سنی:"

"میں اس کے جیتے جی بیوہ ہو گئی:"

یہ کہہ کر اس نے انسپکٹر جمشید کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، جیسے پوچھ رہی ہو:

"اب میں انھیں کیا بتاؤں:"

"میں عرض کرتا ہوں:" انسپکٹر جمشید نے کہا اور مختصر طور پر حالات سنا دیے، کیوں کہ انھیں راز میں شریک کیے بغیر چارہ نہیں تھا۔

"اُف اللہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

اور انسپکٹر جمشید ان کی آنکھوں میں آنسو چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ اب ان کا رُخ صدر صاحب کی طرف تھا۔ صدر صاحب انھیں کا انتظار کر رہے تھے۔

صدر صاحب کو بھی سارے حالات سنائے گئے۔ انسپکٹر جمشید کے خاموش ہونے پر صدر صاحب بولے:

"بہت ہی خوب ہوا ہے سارا کام۔ جمشید تمھارا جواب نہیں ہے۔"

"شکریہ سر۔ رائے گابا کا کیا کیا جائے:" انسپکٹر جمشید نے

پوچھا۔

"ٹھیک ہے، ایسے ناسور کو زندہ رکھنا غلط ہے۔ تم وہاں جا کر اس کا کانٹا نکال آؤ۔ کسی کو خبر تک نہیں ہو سکے گی:" صدر صاحب بولے۔

"بہت بہتر۔ بس آپ سے اجازت لینا تھی:" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ماجد کرمانی اور رائے گابا کے بیوی بچے تو پوری طرح محفوظ رہیں گے نا:"

"جی ہاں! آپ فکر نہ کریں، میں وقتاً فوقتاً ان سے ملتا رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے:" انھوں نے کہا۔

اور وہ ان سے رخصت ہو کر پھر خفیہ مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

"آخر یہ کیس بھی انجام کو پہنچا۔ اب ہم آخری کام کرنے جا رہے ہیں:" محمود بولا۔

"ہاں! یہ تو ہر کیس کی قسمت ہے۔ آخر کو اسے انجام کو پہنچنا ہی ہوتا ہے:" فاروق بولا۔

"کاش ہم لوگ صرف اپنے اللہ سے ڈرنا سیکھ لیں۔ پھر ہمارے سبھی کام درست ہو جائیں گے:" فرزانہ نے سرد

آہ بھری۔

"آمین!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ زندگی بھی عجیب زندگی ہے۔ خاص طور پر ہماری زندگی۔ ہمیں کسی پل چین تو ملتا نظر آتا نہیں۔ ایک کیس ختم ہوتا ہے تو دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرا ختم ہوتا ہے تو تیسرا شروع۔ یوں لگتا ہے۔ زندگی یوں ہی تمام ہو جائے گی۔" محمود نے اداس انداز میں کہا۔

"تو پھر۔ تم کیا چاہتے ہو؟" فرزانہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں۔ میں چاہتا ہوں۔" اس نے کہنا چاہا، لیکن فاروق نے ٹانگ اڑا دی،

"یہ چاہتے ہیں۔ ایک کیس ختم ہو تو پھر دوسرا شروع نہ ہو، دوسرا ختم ہو تو تیسرا شروع نہ ہو۔"

انسپکٹر جمشید ہنس پڑے۔ محمود نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا،

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ جب دوسرا کیس شروع ہی نہیں ہو گا تو ختم کس طرح ہو گا؟" اس نے جل بھن کر کہا۔

"پتا نہیں۔ کس کا دماغ چل گیا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تم دونوں لڑنا شروع کرو، پھر میں ضرور کر سکوں گی۔ تم دونوں کا دماغ چل گیا ہے۔"

"اچھا بس۔ ہم مکان تک پہنچ گئے۔"

"یہ کون سی نئی بات ہے۔ اس کیس میں ہم نے مکان تک پہنچنے کے سوا اور کیا ہی کیا ہے۔" فاروق بولا اور وہ مسکرانے لگے۔

"ابا جان! آپ کے پاس پستول تو ہے نا؟" فرزانہ بولی۔

"ہاں! تم فکر نہ کرو۔" وہ مسکرائے۔

"اور اس میں ایک دو گولیاں بھی ہیں؟" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"بالکل ہیں۔"

"کیوں۔ تم نے یہ کیوں پوچھا؟" محمود بولا۔

"میں نے سوچا۔ کہیں بے چارے رائے گاہا کو عین وقت پر مایوسی نہ ہو۔"

اور وہ ایک بار پھر مسکرا دیے۔ اس وقت تک انسپکٹر جمشید چابی سے تالا کھول چکے تھے۔ ہر طرف ہُو کا عالم طاری تھا۔ اندرونی کمرے کا دروازہ کھول کر وہ تہ خانے میں اُترے۔ انھیں یوں لگا جیسے اندر موت کا سناٹا طاری ہو۔

اور پھر وہ دھک سے رہ گئے۔ تہ خانے کا منظر بہت بھیانک

تھا۔ راۓ گویا فرش پر مردہ پڑا تھا۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ سامنے والی دیوار پر خون لگا تھا۔ گویا اس نے اپنا سر پوری طاقت سے دیوار سے ٹکرا دیا تھا۔ اس نے اپنے انجام پر خود ہی دستخط کر دیے تھے۔

اب وہ قیامت تک اور قیامت کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی طرح سر ٹکراتا رہے گا اور اپنا سر پھاڑتا رہے گا، سر پھر جڑتا رہے گا اور پھٹتا رہے گا۔

آج کی لاش

کا انعامی سوال

سوال: اس ناول میں آپ کو کس کا کردار زیادہ پسند آیا؟

- ۲۵۰ روپے کا انعام پانچ درست جوابات میں بذریعہ قرعہ اندازی برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔
- جوابات ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں۔
- ہر ناول کے جواب کے لیے الگ الگ کاغذ استعمال کریں۔
- کاغذ کاپی سائز استعمال کریں۔
- چھوٹے چھوٹے پرزے استعمال نہ کریں۔

(ادارہ)

جواب: انسپکٹر جمشید کا۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۲۴

مارکوش تین

مصنف: اشتیاق احمد

- عارف کرامی کا چہرہ یک لخت سیاہ پڑ گیا ۔۔
- یہ بات فرزانہ نے نوٹ کی تھی ۔۔
- انسپکٹر جمشید کو کسی نے ڈوگی کے نام سے پکارا ۔۔
- بیگم جمشید اس بار انوکھے روپ میں ۔۔
- خان رحمان اور پروفیسر داؤد ان کے ہاں ۔ لیکن ۔۔
- انہیں کس نے فون کیا تھا ۔۔

ہر قدم پر نئے ہنگامے ۔۔

قیمت : چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۲۵

بڑا مارکوش

مصنف: اشتیاق احمد

- بڑا مارکوش آخر کیا چاہتا تھا ۔۔
- وہ پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ میں کیا کر رہا تھا ۔۔
- انسپکٹر جمشید اور بڑے مارکوش کی زبردست ٹکر ۔۔
- وہ منظر جب بچیاں الٹی لٹک رہی تھیں ۔۔
- پروفیسر داؤد کی بے مثال جرأت ۔۔
- اس ناول میں صدر مملکت بھی کردار ادا کر رہے ہیں ۔ آپ مسکرائے بغیر نہیں رہیں گے ۔۔

قیمت : چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۵۴

مارکوش وار

مصنف : اشتیاق احمد

- انسپکٹر کامران مرزا سے ملاقات کے لیے ایک پُراسرار آدمی کی آمد ــــ
- ریاست پالان میں کیا ہو رہا تھا ــــ
- وُہ مُلک میں رہنے پر مجبور تھے ، لیکن انھیں ریاست پالان بھی جانا تھا ــــ
- اس اُلجھن کا حل انسپکٹر کامران مرزا نے کیا سوچا ــــ
- بڑا مارکوش انسپکٹر کامران مرزا سے کس انداز میں ٹکرایا ــــ
- آفتاب، آصف اور فرحت نے مارکوشوں سے مقابلہ کس انداز سے کیا ــــ
- قدم قدم پر سنسنی پھیلاتا ناول ــــ

قیمت : چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۳۶

مارکوش کی چال

مصنف : اشتیاق احمد

- شوکی برادرز سے مارکوشوں کی ٹکر ــــ
- قدم قدم پر قہقہے ــــ
- زبردست طاقت کے مالک بڑے مارکوش سے شوکی نے کیسے مقابلہ کیا ــــ
- پروفیسر عقلان کی تجربہ گاہ میں ایک خوف ناک ہنگامہ ــــ
- مشترکہ مجرم کی اس سیریز کا انجام کیا ہوا ــــ

قیمت : چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

انسپکٹر ارسلان سیریز ــ ۶

ہولناک منصوبہ

ـــ مصنف : آفتاب احمد ـــ

- اسلامی ملک رہبودیہ کے صدر کو ایک خوف ناک اطلاع ملتی ہے ـــ
- پاک لینڈ کے صدر کو فوری طور پر رہبودیہ بلایا جاتا ہے ـــ
- بابر ، توقیر ، رفعت ، کاشف اور طارق کو ایک خوف ناک جنگ لڑنا پڑتی ہے۔
- انسپکٹر ارسلان کا ایک انوکھے اور خطرناک دشمن سے مقابلہ ـــ
- دشمن ان کے مقابلے پر صفر کے برابر تھا ، مگر ـــ
- زندگی میں پہلی مرتبہ ایک وقت ایسا ان پر آیا کہ انھیں اپنے والد اور جان محمد سے مقابلہ کرنا پڑا ۔ کیوں ؟
- پورا عالم اسلام خوف کی لپیٹ میں تھا ـــ
- ایک بہادر دشمن سے ملاقات ـــ

قیمت : چھ روپے

مُجرم کی دعوت کا انعام

سوال یہ تھا : انسپکٹر جمشید ایک گھنٹے تک کہاں رہے ؟

جواب : بنگلے کے دفتر میں۔

انعام پانے والے پانچ قارئین کے نام پتے مندرجہ ذیل ہیں :

- شبنم نقوی ، فیکٹری ایریا ، مظفر گڑھ
- رانا شہزاد احمد مکان نمبر ۲ ، گلی نمبر ۴ ، محلہ غوثیہ ، کچا شہید روڈ بلال گنج ، لاہور
- محمد رؤف اختر معرفت ایم اے ظفر ، گندیاں روڈ ، کوٹ رادھاکشن ضلع قصور
- محمد محبوب اختر معرفت چوہان کریانہ سٹور ، جھنڈا چیچی ، راولپنڈی
- محمد احمد معرفت مہر محمد نسیم چاہ کشیریاں ، بلال کالونی ، ڈھولن وال ، لاہور ـــ

- آپ صرف ایک روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کرکے تحریک ختم نبوت کے ممبر بن سکتے ہیں —
- یہ تحریک وقت کی ایک اہم ضرورت ہے —
- حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں —
- اس تحریک میں شامل ہو کر سچے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں —
- اشتیاق احمد بھی ممبر ہیں —
- اپنے کوائف اور ڈاک ٹکٹ مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کریں:

نوٹ: پہلے تین خط انعامی قرار دیے گئے۔ انھیں پچاس روپے فی کس روانہ کیے جا رہے ہیں ——

محترم اشتیاق احمد، السلام علیکم!

پرسوں ۱۰ جنوری کو ناول دکان پر آگئے۔ احادیث، دو باتیں اور مسئلہ ختم نبوت کا مطالعہ پہلے کیا، خاص طور پر "مجرم کی دعوت" کے آخر میں محمد زاہد حبیب کے سوال اور آپ کے جامع جواب کا غور سے مطالعہ کیا، اتفاق کی بات کہ ایک "قادیانی" شخص، جس کی کتابوں کی دکان ہے اور ہم سے بائنڈنگ کراتا ہے۔ دکان پر آیا اور مجھے دو پمفلٹ دیے۔ میں نے وہ پمفلٹ پڑھ کر اسے آپ کے مذکورہ جواب کی طرف متوجہ کیا۔ جس پر اس نے کہا کہ دے دیں اپنی دکان پر بیٹھ کر پڑھ لوں گا، لیکن جب میں نے اور لوگوں کی موجودگی میں بلند آواز سے آپ کا جواب پڑھنا شروع کیا تو وہ بار بار اٹھ کر جانے لگا — لیکن میں نے سب کو وہ جواب پورا سنایا

اس نے کہا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ بکواس ہے، اگر یہ سچ ہوتا تو
اشتیاق احمد کتابوں کے حوالے دیتا۔ اس پر میں نے اسے
جواب کا آخری حصہ سنایا۔ آخر اس نے کہا، اگر تم یہ سب باتیں
ہماری کتابوں سے ثابت کر دو تو میں اپنا مذہب چھوڑ دوں
گا۔ یہ دعویٰ اس نے تمام افراد کی موجودگی میں کیا؛ چنانچہ
آپ حوالہ جات ارسال کریں تاکہ میں اسے دکھا سکوں۔ شاید اس
طرح ایک شخص کو ہدایت نصیب ہو جائے، اللہ آپ کے مشن
میں اور برکت دے۔

ارشد حسین، ارشد بک سنٹر اے-۸-ایم یو کے سکوائر،
بلاک ۱۶، منصورہ ایف بی ایریا، کراچی

ج: شکریہ! بہت مبارک بات ہے۔ میں ہر طرح سے ثبوت
پیش کروں گا۔ پہلا ثبوت حوالوں اور فوٹو سٹیٹ کے ساتھ
ارسال کر رہا ہوں، دوسرا آپ کا جواب آنے پر ارسال
کروں گا۔ اور بھی جو قادیانی حضرات ثبوت چاہتے ہوں،
خط لکھیں اور ہدایت پا لیں۔

ڈیئر انکل، تسلیمات!
اس وقت بنگال مشن ختم کیا ہے۔ تقریباً رات کے بارہ بجے،
اس خاص نمبر نے تو خاصا وقت لیا، ایسے تھا بے حد مشکل۔ اور!

حیران ہونے کی ضرورت نہیں، میں نے کہا کہ اس کے ذائقے کا
مزہ نہیں لیا، بلکہ پڑھ کر لطف اٹھایا ہے۔ ایک تجویز ہے۔
اگر آپ سوالوں کی بجائے بہترین جملے کا انتخاب یعنی جو آپ
کو سب سے اچھا جملہ لگتا ہے۔ اس پر انعام دیا جائے تو کیا
بہتر نہیں رہے گا۔ پہلے خاص نمبروں میں اس طرح کیا گیا تھا۔
بہرحال خاص نمبر بے حد اچھا تھا۔ خاص طور پر شوکی کی والدہ کے
اس جملے پر بے حد ہنسی آئی کہ مجھ نگوڑ ماری نے ایسے کام کب
کیے تھے۔ میں نے یہ جملہ باجی وغیرہ کو سنایا تو ہم لوگ بے حد
ہنسے۔ اور ہاں انکل! آپ کو ڈاکٹر عبداللہ کو نہیں مارنا چاہیے
تھا۔ باتیں سوچتے سوچتے اس وقت رات کا ایک بج چلا ہے۔
بے حد نیند آ رہی ہے۔ اس لیے شب بخیر۔ صبح یہ خط آپ کو
پوسٹ کروں گی۔ فقط:

سعدیہ ابراہیم گورو مانگٹ، گلبرگ، لاہور

محترم اشتیاق بھائی، السلام علیکم!
نئے ماہ کے نئے ناول خوب تھے۔ غلام وادی کا مرکزی خیال نیا
تھا، کہانی بھی جان دار تھی، آخر میں مجرم کو پکڑنے کا طریقہ بہترین
تھا۔ غریب امیر سے فراڈ کی الجھی داستان تھی، حقیقت کے قریب تر
تھی۔ جیکسن ویج کی کہانی بھی اچھی نظر آئی۔ یہ دات کی بوں کے

متعلق تھی، رنگین موت لاجواب اور بے مثال ثابت ہوئی۔ شوکی برادران کی حرکتوں نے لوٹ پوٹ کر دیا۔ امید نہیں تھی کہ کہانی جلد ختم ہو جائے گی۔ لیکن شوکی کی ذہانت نے مسئلہ حل کر دیا۔ خونی جنگل گو آپ کے ابتدائی ناولوں میں سے تھا لیکن اس میں بھی وہی اندازِ بیان ہے جو آپ کا آج کل ہے۔ خطوط کی عدالت ۵۰۰ کے لیے بے قراری عروج پر ہے۔ عکس کے لکھے ناول کا بھی انتظار ہے۔ فقط:

شاہد اقبال، بخاری روڈ نزد رحمانیہ مسجد، گوجرانوالہ

محترم اشتیاق احمد، السلام علیکم!

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ خاص نمبر امید کے خلاف دیر سے ملا۔ کافی وزنی تھا۔ ختم کرتے کرتے جی بھر آیا۔ ایسے مسلمانوں کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آپ نے مرزائیوں اور قادیانیوں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ آپ کا ہر ناول دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ ایسے مسلمانوں سے اللہ تعالٰے سب کو محفوظ رکھے، جن کے بغل میں چھری ہے اور منہ میں رام رام۔ شاید اُمّتِ مسلمہ کو اس سے بڑا خطرہ کوئی نہ ہو۔ حکومت بھی ان کی سرپرستی کر رہی ہے، لیکن سب سے بڑی کمی اتحاد کی ہے، جس کا واضح ثبوت ایران عراق جنگ ہے، اگر ہم متحد ہو

جائیں تو پھر کوئی بھی سر اُٹھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ شاید مسلمانوں کو اب بھی عقل آ جائے۔ فقط!

عبدالرحمٰن مکان نمبر ایم ۱۳۰۵، گلی نمبر ۵۵، امر پورہ، راولپنڈی

مکرمی جناب اشتیاق احمد، السلام علیکم!

آپ ناولوں کے آخر میں اسلامی سوالوں اور مسئلہ ختم نبوت کے سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں میرا بھی ایک سوال ہے۔ فیصل آباد میں "پاکستان بائبل کارسپانڈنس" نامی ایک سکول ہے، اس میں توریت اور زبور کے بارے میں بہت سے کورسز کروائے جاتے ہیں، اگر کوئی یہ کورس کر لے تو گناہ تو نہیں ہوگا۔ یہ کورسز بذریعہ ڈاک بھیجے جاتے ہیں۔

آپ کے ناولوں کے علاوہ جو متفرق سلسلہ جاری ہے، بہت خوب ہے، لیکن اگر آپ متفرق سلسلے میں ہر ماہ اسلامی کتابیں شائع کریں تو زیادہ بہتر ہے۔

آفتاب احمد اور فوزیہ احمد نے اب ناول لکھنا شروع کر دیے ہیں، لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ناول لکھنے میں جو مہارت آپ رکھتے ہیں وہ کسی اور کے پاس نہیں ہوگی۔ بعض اوقات آپ ناولوں کے آخر میں بے تکے سوالات پوچھتے ہیں، جیسے بدنصیب ہوٹل میں سوال تھا کہ اس آدمی نے گھڑی پر نظر کیوں

ڈالی تھی۔ ظاہر ہے کہ گھڑی پر نظر وقت دیکھنے کے لیے ڈالی ہو گی ۔ اللہ حافظ۔

عبدالباسط خان ، ساہیوال

جواب: یہ کورس ہرگز نہ کریں۔ یہ اسلام سے ورغلانے کی کوششیں ہیں۔

اشتیاق بھائی، السلام علیکم!

اس ماہ کے چاروں ناول پسند آئے۔ خاص طور پر غریب ہیرے، خونی جنگل کے آخر میں اپنا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اور اسی خط کے سلسلے میں آج آپ کے ایک قاری کا خط ملا ہے جو میں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اور ان کے نام چند الفاظ بھی لکھ رہا ہوں، امید ہے، شائع فرمائیں گے۔

"جناب پرنس انکل، السلام علیکم!

آپ کا خط ملا، جواب حاضر خدمت ہے، لیکن کب تک اشتیاق صاحب میرا خط شائع کرتے رہیں گے، آپ مہربانی فرما کر اپنا پورا نام اور پتا ارسال کریں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ نے مجھے دوست بن کر خط لکھا ہے یا دشمن بن کر، جہاں تک میرا خیال ہے، آپ نے دوست بن کر ہی لکھا ہو گا، کیوں کہ میری ذاتی دشمنی کسی سے بھی نہیں۔ میں ایک سچا مسلمان ہوں اور رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

کا قائل ہوں۔ میری دشمنی صرف ان لوگوں سے ہے جو میرے ملک میری قوم اور میرے دین کے دشمن ہیں۔ اس لیے مہربانی فرما کر یاروں کا یار اور دشمنوں کا دشمن ۔ کی تشریح کریں۔ والسلام،

خالد مانیگر معرفت قادر بخش سبزی فروش ، نزد مسجد کمہاراں، منڈی ملتان کینٹ۔

پیارے انکل اشتیاق احمد، السلام علیکم!

میں زندگی میں پہلی بار آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ میں آپ کے ناول ایک عرصے سے پڑھ رہا ہوں۔ آپ کے ہر ناول کی قیمت صرف چھ روپے ہے اور پاکستان میں ہر جگہ صرف چھ روپے میں خریدے جاتے ہیں، لیکن دوبئی کے چھ روپے پاکستان کے پچیس روپوں کے برابر ہیں۔ "جزیرے کا سمندر" میں نے ایک دن میں ختم کیا۔ میں آپ کے ناول ایک دو گھنٹے میں پڑھ لیتا ہوں۔ دوبئی میں آپ کے ناول "پاک بک شاپ" میں ۹، ۱۰ تاریخ کو پہنچتے ہیں اور بعض اوقات تو ایک ماہ بھی لگ جاتا ہے۔ ایسے میں اگر ہم سوالوں کے جواب لکھیں تو اس کا کیا فائدہ ہو گا، کیوں کہ آپ کے ہاں جوابات ۱۵ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں۔

عبدالفتاح ، دیرہ دوبئی (شرف) ، یو۔اے۔ای

پیارے اشتیاق انکل، السلام علیکم!

اس بار کے ناول پڑھے، بہت پسند آئے۔ خاص طور پر غلام وادی جو آج کل ایک طرح کی حقیقت ہی معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے جو اسلامی سوالوں کے جوابات دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے، وہ لاجواب ہے۔ انکل جہاں آپ اپنے قلم کے زور پر مسلمانوں میں جذبۂ ایمان بیدار کر رہے ہیں، وہاں کچھ مرتد لوگ سادہ لوح مسلمانوں کو بھٹکانے کا کام تیزی سے کر رہے ہیں۔ کچھ دن پہلے میں نے اخبار میں ایک خبر پڑھی کہ افریقہ کا ایک آدمی اپنے آپ کو (نعوذ باللہ) اللہ کا نبی کہتا ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اب تک وہ پچیس ہزار سے زیادہ لوگوں کو گمراہ کر چکا ہے، جو اس کے پیروکار کہلاتے ہیں۔ میں خط کے ساتھ اس بدبخت کی اخبار سے کاٹی ہوئی تصویر ثبوت کے طور پر بھیج رہی ہوں۔ اور دکھ کی بات یہ ہے کہ لیبیا جو خود ایک اسلامی ملک ہے اس جھوٹے نبی کی پوری طرح نہ صرف سرپرستی کر رہا ہے، بلکہ اس کے لیے مالی امداد بھی بھیج رہا ہے۔ یہ سب دیکھ کر بہت صدمہ ہوتا ہے اور دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ اللہ ہم سب کو سیدھا راستہ دکھائے۔ اور جو آپ قلم کے ذریعے جہاد کر رہے ہیں، اس میں آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔ آمین!

انشال، حسن آباد، لاہور

www.UrduFanz.com
مشہور و معروف مصنف
کے سنسنی خیز۔ ہنگامہ آرا۔ مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول:
اشتیاق پبلی کیشنز